شعر و ادب کی صالح قدروں اور عصری رجحانات کا ترجمان
سہ ماہی ادبی محاذ کٹک
OCT - DEC 2020
مدیر
سید نفیس دسنوی

بیاد پروفیسر سید منظر حسن دسنوی مرحوم
اور سید شکیل دسنوی مرحوم
شعروادب کی صالح قدروں اور عصری رجحانات کا ترجمان

اشاعت کا سولہواں سال ۶۵ رواں شمارہ

سہ ماہی **ادبی محاذ** کٹک

ہمارے سرپرست
حضرت سید اولادِ رسول قدسیؔ مصباحی (امریکہ)
جناب خادم رسول عینیؔ (بھساول)

مدیر اعلیٰ: سعید رحمانی
موبائل۔ 07978439220 (صرف SMS کے لیے)

مدیر | معاون مدیران
سید نفیسؔ دسنوی | سیّد نورالٰہی ناطق | عبدالمتین جامیؔ
Mob:9437067585 Mob:9237427933 Mob-9938905926

منیجنگ ایڈیٹر
سمیع الحق شاکر موبائل 9861148800

کمپیوٹر کمپوزنگ:۔ یونس عاصم موبائل۔ 9090156995

مجلسِ مشاورت
ڈاکٹر اسلم حنیف، ظفر اقبال ظفر، شارق عدیلؔ، غلام ربانی فداؔ، اشفاق نجمیؔ، حیرت فرخ آبادیؔ، شیخ منور حبیبی، شیخ قریش، ڈاکٹر معصوم شرقی، ڈاکٹر قمرالزماں، یوسف جمال، مولانا مطیع اللہ نازشؔ، ارشد جمیل

قانونی مشیر: محمد فیض الدین خاں (ایڈوکیٹ، ہائی کورٹ)

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ
سعید رحمانی۔ دیوان بازار۔ پوسٹ۔ بخشی بازار، کٹک۔ 753001 (اڈیشا)
09437067585 (ضروری جانکاری کے لیے)
E-mail: adbimahaz@gmail.com
E-mail: Sayeedrahmani@gmail..com
Website: http//www.sayeedrahmani.blogspot.com

قیمت فی شمارہ: ۲۵؍روپے زرِ سالانہ: ۱۰۰؍روپے
رجسٹری ڈاک سے زرِ سالانہ۔ ۲۰۰؍روپے
خصوصی زرِ سالانہ: ۲۰۰؍روپے بیرونِ ممالک: ۲۵؍امریکی ڈالر
(چیک یا ڈرافٹ پر نام کی جگہ صرف Mohammad Sayeed لکھیں۔ پتہ نہ لکھیں۔ چیک کے ذریعہ زرِ سالانہ ۱۲۵؍روپے ارسال کریں۔ بیرونِ ملک کے لئے ۳۰؍امریکی ڈالر)
IndianOverseasBank-A/CNo.172201000001688
IFSC Code-IOBA0001722-Branch-HaripurRoad,Cuttack

پبلیشر و پرنٹر شیخ قریش نے چتّا پریس قاضی بازار سے چھپوا کر دفتر ادبی محاذ دیوان بازار کٹک۔ 753001 سے شایع کیا۔

یادوں کی دہلیز سے
سید شکیل دسنوی (مرحوم)

کیوں ہوئی ترک رسم وراہ نہ پوچھ
اور کچھ پوچھ پر یہ آہ نہ پوچھ

بات نکلی ترے کرم کی جب
جھک گئی کیوں مری نگاہ نہ پوچھ

کیوں چڑھایے گئے صلیبوں پر
کیا ہمارا تھا اب گناہ نہ پوچھ

کون یادوں کے راستے آیے
کس لیے دل ہے فرشِ راہ نہ پوچھ

زندگی سے شکیلؔ کس کی بنی
کس طرح ہم نے کی نباہ نہ پوچھ

بہ شکریہ
سید ریحان دسنوی۔ بنگلور

ہمارے خصوصی معاونین

اپنی پنشن کی رقم سے ''اخبارِ اڑیسہ'' کا لگایا ہوا پوداب اللہ کے فضل وکرم سے برگ وبار لا کرسہ ماہی ''ادبی محاذ'' کی صورت میں ارتقائی سفرطے کرنے لگا ہے۔میری تنہا ذاتی کوششوں سے شروع کیا ہوا یہ سفراب 'لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا' کے مصداق ایک ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔جس میں مقامی احباب کے دامے درمے سخنے تعاون کے ساتھ ہی کل ہنداور عالمی سطح پر بھی محبان اردو نے اپنی طرف سے ایک ہزار سے پانچ ہزار تک کے عطیات دیے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ان میں سے بعض نے وقفے وقفے سے رقم بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔تمام محبان اردو سے گزارش ہے کہ''ادبی محاذ'' کی خریداری قبول فرمائیں اوراس کی بقا کا ضامن بنیں۔

خصوصی معاونین کے اسمائے گرامی

الحاج محمد ایوب خاں	بھوبنیشور
الحاج سیّد عطامحی الدین	بھدرک
الحاج سیّد ڈاکٹر مشتاق علی	کٹک
الحاج مولوی سیّد نذیرالدین صدیقی (ایڈوکیٹ)	کٹک
جناب محمد شاہنواز	بھوبنیشور
جناب عبدالمجید فیضی	سمبل پور
جناب ایم اے احد	بھوبنیشور
جناب محمد اسلم غازی	ممبئ
ڈاکٹر محمد قمرالدین خاں	کٹک
جناب ایس این شیخ	ممبئ
مولوی محمد مطیع اللہ نازش	کٹک
جناب شیخ منوراحمد حبیبی	دھام نگر (اڑیسہ)
جناب محب الرحمن وفا	یوڈا،مہاراشٹر
جناب وکیل نجیب	ناگپور
جناب سیّد محمود رضی الدین	راجستھان
جناب اقبال سلیم۔	بنگلور
جناب ایم حمیدالدین ناز	بیدر
پالوجی ڈاکٹر جاوید حسین	ممبئ

مس انجم ممتاز سلطانہ	بیدر
جناب رفیق شاہین	علی گڑھ
جناب سمیع الحق شاکر	کٹک
ڈاکٹر سید مجیب الرحمن بزمی	رانچی
ڈاکٹر جمال الدین احمد	بھوبنیشور
ڈاکٹر کرشن بھاوک	پٹیالہ
سید فرید منظر حسن	کٹک
ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی	نیپال
ڈاکٹر قمرالزماں	دھنباد
مولانا پھول محمد نعمت رضوی	مظفرپور(بہار)
جناب ارشد قمر	ڈالٹن گنج
ڈاکٹر ملکہ خورشید	لکھنؤ
حاجی اختر حسین	بیل پہاڑ۔جھارسوگڈا
جناب جمال قدوسی	سدھارتھ نگر(یوپی)
جناب شمس الحق شمس (ایڈوکیٹ)	دیوپور (کٹک)
ابوالکمال ظفراحمد (ایڈوکیٹ)	بالیسر
جناب ارشد جمیل	کٹک
جناب شیخ بشیراحمد	کشمیر

جناب نظام مجھولیاوی	مظفرپور (بہار)
جناب رمیش پرساد کنول	پٹنہ
جناب اسحاق عابد	چنئ
ڈاکٹر مختار شمیم	بھوپال
ابرار نغمی	رائسین (ایم پی)
بانومہر سلطانہ بنت حمیدالدین	بیدر(کرناٹک)
جناب جاوید ندیم	ممبئ
جناب فیروز احمد سیفی	نیویارک (امریکہ)
پروفیسر سید محمد استخارالدین	بجنور (یوپی)
الحاج سید عطامحی الدین	بھوبنیشور
جناب سید اولادِ رسول قدسی	امریکہ
جناب سید خادمَ رسول عینی	بھساول
سبطین پروانہ	کٹیہار (بہار)

قلمکاروں سے گزارش

اپنی تخلیقات ان پیج میں ٹائپ کرکے ای۔میل سے ارسال کریں تو ترجیحی بنیاد پر شائع ہوں گی (ادارہ)

ادبی محاذ کے گوشے

گزشتہ شمارے میں سیوان بہار کے استاد شاعر حضرت قمر سیوانی کا ایک مبسوط گوشہ شامل جو قارئین کو بے حد پسند آیا۔

ادبی محاذ میں شاعروں اور ادیبوں کے متعدد گوشے اب تک شایع ہوکر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔

آپ کے گوشے کے لیے بھی ادبی محاذ کے صفحات حاضر ہیں۔تفصیل کے لیے اس فون نمبر پر رابطہ کریں۔نمبر ہے:09437067585

عالمی علمی،ادبی اور تحقیقی اردو جریدہ

تخلیق و تحقیق

نگراں۔ڈاکٹر ایم۔نسیم اعظمی　　مدیر۔ڈاکٹر جمیل دوشی

رابطہ۔عدیلہ پبلی کیشنز۔ڈومن پورہ (کساری)

مئوناتھ بھنجن۔(یوپی)

آستانۂ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف سے منسلک سبھی شخصیتیں دینی علوم کے ساتھ ساتھ شعروادب میں بھی اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔انھیں معزز شخصیتوں میں حضرت سید محمد نورالحسن نورؔ نوابی عزیزی کا شمار آج کے ممتاز صوفی شاعروں میں ہوتا ہے۔تقدیسی شاعری ان کی اولین ترجیح ہے۔یہ فن انھیں وراثت میں ملا ہے جس کو جلا بخشنے میں وہ ہمہ تن مصروف ہیں۔قلندرانہ صفت پائی ہے۔اس لیے صلہ وستائش کی تمنا کیے بغیر بے لوث ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ان کی شاعری برگ وبار لاکر ایک ایسا شجرِ سایہ دار بن چکی ہے جس سے ادب کے شائقین کسبِ فیض کرنے لگے ہیں۔اس کے علاوہ نعوتِ پاک، مناقب اور مضامین پر مشتمل ان کے اب تک ایک درجن سے زائد مجموعے منظرِ عام پر آکر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔ہائیکو میں بھی ایک نعتیہ مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔اب تازہ ترین مجموعہ

مژدۂ رحمت

لے کر وہ ہمارے سامنے آئے ہیں۔یہ ان کا مرتبہ مجموعہ ہے جو سخنورانِ سلسلۂ نوابیہ عزیزیہ کی نعتیہ شاعری کا انتخاب ہے۔اس میں کل آٹھ شعرا کی گیارہ گیارہ نعوتِ پاک شامل ہیں۔ساتھ میں ان سبھوں کا مختصر سوانحی خاکہ بھی پیش کر دیا گیا ہے تاکہ قارئین ان کے شعری پس منظر سے آشنا ہوں۔مجموعے میں شامل نعوتِ پاک کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سبھی شعرا سیرتِ طیبہ اور تاریخِ اسلام کا نہ صرف گہرا علم رکھتے ہیں بلکہ فنِ شعر سازی پر بھی انھیں دسترس حاصل ہے۔ان نعتوں میں لفظوں کا دروبست، تلمیحات کا برملا استعمال اور شعریت کی چاشنی قاری کو ایک نئے ذائقے سے روشناس کراتی ہے۔

مثالاً چند شعر ملاحظہ فرمائیں:

درود پڑھتے ہوئے عرش تک پہنچتی ہے
فرشتے حوصلے میری دعا کے دیکھتے ہیں (سید محمد نورالحسن نور)

☆

جب سے آقا نے بنایا ہے مجھے اپنا غلام
میرے قدموں میں بچھی جاتی ہے جنت ان کی (سید محمد مجیب الحسن)

☆

میں پل صراط سے گزروں گا جس گھڑی انجم
گزرتا جاؤں گا پڑھتا ہوا درود شریف (شیخ محمد الیاس انجم)

صفحات:۱۳۲/ قیمت:۱۵۰/روپے

ملنے کا پتہ:۔آستانۂ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف۔پوسٹ منڈوہ، تحصیل کھاگا۔ضلع فتحپور۔ہسوہ۔212653 (یوپی)

اس شمارے میں

ہمارے سرپرست — حضرت سید اولادِ رسول قدسیؔ
ہمارے سرپرست — جناب سید خادمِ رسول عینیؔ

محاذِ اول:
7۔ کرونا وائرس میں اسکولی طلبہ... — قاضی مشتاق احمد

حمد ونعت
8۔ شارق عدیل، ڈاکٹر یوسف صابر، بلال راز، صابر کاغذنگری
9۔ عبدالمجید فیضی، فیض رتلامی، مدہوش بلگرامی، شاخ انور

منظومات
10۔ عبدالسلام کوثر، انجنا کشش، نسیمہ لکھنؤ

مضامین
11۔ تحقیق اور تنقید ایک تعارف — سردار خواجہ معین الدین
12۔ ایک غزل — حیرت فرخ آبادی
13۔ پرتونورِ افکار — لطیف ثانی
15۔ علامہ قدسیؔ کی شاعری (دوسری قسط) — سید خادم رسول عینیؔ
19۔ مجھ کو پہچانئے راہی کسی نسبت کے بغیر — ضیا فاروقی
20۔ دن رات لب پہ ذکرِ رسولِ خدا رہے — نذیر احمد یوسفی
22۔ قیصر عزیز کی شاعری — عبدالحلیم انصاری
24۔ عبدالحلیم انصاری اور زنگارِ ادب — محمد نسیم اختر نسیم
25۔ امعان کے تناظر میں...... — صابر علی سیوانی
29۔ ایک غزل — امجد سلیم امجد

غزلیات
30۔ عبدالمجید فیضی، اظہر نیر، علیم صبا نویدی، حافظ کرناٹکی، مہدی پرتاپ گڑھی، علیم الدین علیم
31۔ شارق عدیل، ڈاکٹر مسعود جعفری، جمیل فاطمی، بدر محمدی، عمران راقم، عبدالحیٔ پیام انصاری
32۔ ظفر اقبال ظفر، سید نورالحسن نوابی، ڈاکٹر وارث انصاری، قاضی سید محی الدین عاجز، عطیہ نور، شیو شرن بندھو
33۔ ابرارالغنی، ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی، ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمیؔ، یونس عاصم، ایڈوکیٹ شمس الحق شمس، حمید عکسی

افسانے
34۔ ہیں کہاں بجو کے.... — سید حنیف
37۔ منی افسانے — علیم صبا نویدی
39۔ ادھر جنت اُدھر دوزخ — ایڈوکیٹ اجمل محسنؔ
40۔ لعنت بھیجیے — منظور وقار
41۔ روبوٹ لڑکی — سراج وجیہہ تیرانداز
42۔ ہزل — ڈاکٹر قمرالزماں
43۔ پس منظر — محمد رفیع الدین مجاہد

غزلیات
44۔ رمیش کنول، کے انیس اظہرؔ، حوالدار سلیم الدین عامرؔ، کریم خاں نشاط، قاسم رضا، عزیز خاں عزیز
45۔ صابر کاغذنگری، رمیش تنہا، عبرت مچھلی شہری، خالد سرحدی، ڈاکٹر یوسف صابر، قاضی سید محی الدین عاجزؔ
46۔ شاہنواز انصاری، عارف محمد عارف، سید ریحان حسن دسنوی، عارفہ رخسانہ زرتاب غزل، محمد فرقان فیضی
47۔ سبطین پروانہ، محمد ممتاز شعور، غلام سرور ہاشمی، کاشف احسن، صبیحہ صدف، سمیع احمد ثمر

48۔ **کتابوں کے شہر میں (تبصرے)**
مبصرین: عبدالمتین جامی، سعید رحمانی
52۔ ایک غزل — محمد نوشاد نورنگ
53۔ ادب پیما
54۔ طرحی مشاعرہ
56۔ متفرقات

اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

ہوں مری ایسی بختیار آنکھیں
ان کے غم میں ہوں اشکبار آنکھیں

روضۂ مصطفیٰ کا حسن و جمال
کاش دیکھیں یہ بار بار آنکھیں

ان کی آنکھوں کی ہے مثال کہاں
دہر میں یوں ہیں بے شمار آنکھیں

جن کو حاصل ہے دیدِ ربِ علیٰ
ہیں وہ آقا کی شاہکار آنکھیں

ان کی آنکھوں کی تابناکی کو
دیکھتی رہ گئیں ہزار آنکھیں

جلوۂ رب میں تیرتی ہیں عجب
کرسکے کون ان سے چار آنکھیں

گردِ طیبہ ہے جس کی آنکھوں میں
اس کی آنکھیں ہیں بے غبار آنکھیں

ہے وہ خوش بخت ان کی یادوں میں
جس کی روتی ہیں بار بار آنکھیں

جو بھی دیکھے انھیں تعصب سے
اس کی ہوجائیں تار تار آنکھیں

قبر میں کیسے ان کے چہرے کو
دیکھ پائیں گی شرمسار آنکھیں

جو نواہی سے ہوں گی دور و نفور
کس قدر ہیں وہ باوقار آنکھیں

دیکھ کر ان کو جو رہیں بے نور
ایسی آنکھیں ہیں بے بہار آنکھیں

دیکھ پائیں نہ ان کو جی بھر کر
رہ گئیں روکے بے قرار آنکھیں

جن میں ہے جلوہ بار ان کا جمال
بخت ور ہیں وہ پُر بہار آنکھیں

اک جھلک جس نے ان کو دیکھا ہے
اس سے لےلوں میں مستعار آنکھیں

جانے کب آئیں گے وہ خوابوں میں
ہیں بہت میری دل فگار آنکھیں

کاش آجائیں وہ سما جائیں
ہیں سراپا بہ انتظار آنکھیں

ان کی خاطر جو جاگتی ہی رہیں
ہیں وہ کتنی وفا شعار آنکھیں

بند ہوکر بھی دیکھ لیں جو عرش
ہیں وہ آنکھوں میں شہریار آنکھیں

کیا بصارت ہو ان کی ہم سے بیاں
جن کی بن جائیں کردگار آنکھیں

جن میں طیبہ کا ہے چمن آباد
ہیں وہ ضوبار و مشک بار آنکھیں

جو چمکتی ہیں نورِ ایماں سے
کیوں نہ ہوں ان پہ خود نثار آنکھیں

روتی رہتی تھیں امتوں کے لیے
رحم دل ان کی غم گسار آنکھیں

ہوگئیں دیکھ کر دیارِ نبی
قدسی رفعت کی شہسوار آنکھیں

غزل

زیست کے ہیں عجب نشیب و فراز
کل نہ تھے ہیں وہ اب نشیب و فراز

سارے بے راہ رو کو پل بھر میں
کر گئے باادب نشیب و فراز

کرکے خوں میرے طفلِ خواہش کا
پوچھتے ہیں سبب نشیب و فراز

روشنی ہے کبھی، کبھی ظلمت
چرخِ درد و طرب نشیب و فراز

ان سے بڑھتی ہے محنتوں کی لگن
رہنمائے کسب نشیب و فراز

منزلیں خود بخود سمٹنے لگیں
راہ میں آیے جب نشیب و فراز

دیکھ کر میرے خشک ہونٹوں کو
ہوگئے تشنہ لب نشیب و فراز

میرے عزمِ سفر کی شعلہ زنی
ہوگئے جاں بلب نشیب و فراز

کر گئے رہ گزر کی دولت کو
چپکے چپکے غصب نشیب و فراز

اب تو کچھ بھی نہیں بچا قدسی
لے گئے میرا سب نشیب و فراز

نعتِ پاک

جہاں ہے روضہ ترا ہے وہ آسماں کی طرح
چمک رہا ہے وہ اک رشکِ کہکشاں کی طرح
وہ ہر جہان میں محبوبِ ربِ عالم ہیں
بتاؤ کون ہے سرکارِ دوجہاں کی طرح
زبان ایسی کہ قرآن کی زباں ہو جایے
کہاں کوئی ہے زباں شاہ کی زباں کی طرح
فصیح کہتے تھے خود کو جو سامنے ان کے
وہ لڑکھڑانے لگے ناتواں زبان کی طرح
اسی سے ملتی ہے راحت' درود پڑھتا ہوں
لبوں میں میرے مہکتا ہے گلستاں کی طرح
برس رہی ہے مدینے میں رحمتِ باری
وہ نعمتوں میں ہے اک بحرِ بیکراں کی طرح
ہو جس میں ذکرِ نبی اور ذکرِ ربِ جہاں
کوئی صدا نہیں عینؔی کہیں اذاں کی طرح

سید خادمِ رسول عینؔی (بھساول۔جلگاؤں)
سرپرست ادبی محاذ

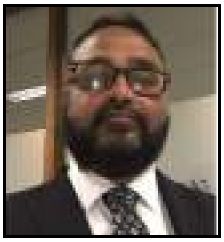

نعتِ پاک

حبِ آقا میں جو سرشار نظر آتا ہے — وہ جہاں میں بڑا ہشیار نظر آتا ہے
اختیاراتِ شہہِ دین کا ہے یہ جلوہ — ان کا محتاج بھی مختار نظر آتا ہے
ان کے اخلاق کی تلوار کے آگے ہردم — مات کھاتا ہوا پندار نظر آتا ہے
ان کی سیرت کے ورق پر ہیں فدا سارے گل — کیوں تیری آنکھ کو یہ خار نظر آتا ہے
فاطمہ کے جو تقدس کو نہ سمجھے وہ بشر — پوری دنیا میں بڑا خوار نظر آتا ہے
ان کی اولاد کی الفت میں جو سرشار رہا — بس وہی خلد کا حقدار نظر آتا ہے
واسطہ غوث کا' ہو چشمِ عنایت آقا — آج دل قوم کا بیمار نظر آتا ہے
تقویت یادِ شہنشاہِ جہاں نے بخشی — اس لیے عینؔی قلم کار نظر آتا ہے

غزل

دکھاؤ نہ تم ہم پہ یوں ہم مسلسل
گرادے نہ تم پر ستم بم مسلسل
ہیں غربت کے خانے میں خوشیاں ہی خوشیاں
ہے ثروت کے محلوں میں ماتم مسلسل
ترے قرب کے گیسوؤں سے ہوا دور
کٹھن تھا بہت ہجر کا غم مسلسل
فضا خوشگوار اپنے کردار کی ہو
یہ کہتا رہا قومی پرچم مسلسل
اسی سے ملے گی تمہیں قلبی راحت
کیے جاؤ خوشیاں فراہم مسلسل
کلی مسکرا دے مری زندگی کی
اگر پیار کی دے دو شبنم مسلسل
صحت مند ہوگی تری روح عینؔی
پئے جاؤ الفت کا زمزم مسلسل

غزل

بڑا حسین صنوبر دکھائی دیتا ہے
تمہارے لمس کا جوہر دکھائی دیتا ہے
وہ ایک چہرہ مرے دل میں نقش جب سے ہوا
اسی کا عکس برابر دکھائی دیتا ہے
جہاں بھی ہوتی ہے حاجت حفاظتِ دیں کی
ہمیں وہاں کوئی حیدر دکھائی دیتا ہے
جو میرے جرم کا کرتا ہے ہر طرف چرچا
اسی کے ہاتھ میں خنجر دکھائی دیتا ہے
تمہاری زلفِ معنبر کی چھاؤں میں مجھ کو
سکونِ دل کا سمندر دکھائی دیتا ہے
جو فکرِ قدسیؔ کی اصناف سے ہے وابستہ
وہ بحرِ شعر کا گوہر دکھائی دیتا ہے
میں اس کے در کی طرف جارہا ہوں عینؔی مگر
ہر ایک گام پہ پتھر دکھائی دیتا ہے

قاضی مشتاق احمد
پونے

محاذِ اول

کرونا وائرس میں اسکولی طلبہ کا حالِ زار

کرونا وائرس کے نتیجے میں دنیا بھر کے طلبہ کے اسکولوں اور کالجوں میں داخلے میں خلل پڑا ہے۔ طلبہ کو صحتِ عامہ کی تشویشات، سماجی فاصلہ برقرار رکھنے کی مجبوری اور انتشار کے سبب ایک نئی دنیا تلاش کرنا ہوگی۔ آج کل ''عالمی معیار'' کی اصطلاح کا استعمال کثرت سے ہو رہا ہے۔ لوگ غیر یقینی دور میں جی رہے ہیں۔ ہندوستانی ذرائع ابلاغ میں امریکی نصابِ تعلیم کے متعلق کافی خبریں دیکھنے کو مل رہی ہیں۔ اس کوریج سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امریکی نصابِ تعلیم طلبہ کو یہ چیلنج پیش کرتا ہے کہ وہ دکھائیں کہ اپنی سمجھ کا استعمال موزوں، اہم اور جدید طریقوں میں کس طرح کر سکتے ہیں۔ یہاں طلبہ صرف نظریات کی تعلیم حاصل نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے علم کو پروجیکٹ، پوچھ تاچھ اور تحقیق کے ذریعہ حقیقی معنوں میں استعمال کرنا بھی سیکھتے ہیں۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ امریکہ میں طلبہ یونیورسٹی میں صرف پڑھائی کے لیے نہیں آتے بلکہ وہ زندگی بھر کا رشتہ قائم کرنے، اپنے کلاس روم سے باہر طلبہ اور کھلاڑیوں کے طور پر کیمپس کی زندگی کے حاصل شدہ تجربات کے ذریعہ معاشرے میں خود کو شامل کرنے اور سماج کے ایک کارآمد اور فعال رکن کی حیثیت سے خود کو فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہاں کے نصابِ تعلیم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کسی ۱۸؍ برس کے نوجوان کو ۲۲؍ برس کے نوجوان میں تبدیل کیا جا سکے۔ طلبہ اپنے پسندیدہ شعبوں میں علم حاصل کرنے کے ساتھ اپنی دنیا کا بھی وسیع تر ادراک حاصل کرتے ہیں۔ امریکہ کی تمام یونیورسٹیوں میں کیریئر سروسیز کا دفتر فعال ہوتا ہے جو گریجویشن کے بعد طلبہ کے سامنے یہ چیلنج پیش کرتا ہے کہ وہ اپنے تجربوں اور تعلیم سے معاشرے کو خوش حال بنانے کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ یونیورسٹیاں فارغ طلبہ اور حال ہی میں کامیاب ہونے والے طلبہ کا رابطہ کاروبار اور اس سے متعلق صنعت سے کرتی ہیں۔

اگر ہم بدلتے حالات میں اپنے ملک ہندوستان کے نصابِ تعلیم اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کی کارگزاری کا ذکر کریں تو یہ واضح ہوگا کہ ہمارے یہاں بھی گزشتہ دو دہائیوں میں کورس ورک ڈیجیٹل فراہمی میں رفتہ رفتہ بہتری آ رہی ہے۔ ہمارے آن لائن کورسز میں بات چیت پر کافی زور رہتا ہے۔ اساتذہ جدید ترین ڈیجیٹل تدریسی وسائل جیسے کرسٹل کی بورڈ اور بلیو اسکرین کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کے لیے آدھی دنیا کا سفر کر کے امریکہ جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے یہاں بھی عالمی معیار کے تعلیمی ادارے ہیں۔

امسال نیشنل ٹیسٹنگ ایجنسی (این ٹی آئی) کے زیرِ اہتمام بارہویں کے بعد میڈیکل میں داخلہ حاصل کرنے کے لیے ہونے والی نیٹ (NEET2020) میں مہاراشٹر کے ۶۱۵؍ مراکز کے 2,28,914 طلبہ نے رجسٹریشن کیا تھا جن میں سے ۸۵؍ فی صد طلبہ نے شرکت کی۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ طلبہ سنجیدگی کے ساتھ اپنی پڑھائی میں مصروف رہتے ہیں۔ ملک بھر میں تین ہزار ۸۴۳؍ مراکز پر ٹیسٹ ہوا تھا۔ اکیلے پونے شہر میں کل ۲۲؍ ہزار طلبہ نے اس میں شرکت کی تھی۔

کرونا وائرس کی وجہ سے آن لائن تعلیم کا سلسلہ چل پڑا ہے لیکن دیہی علاقوں میں بیشتر طلبہ کے پاس آن لائن تعلیم سے استفادے کے لیے برقی آلات یعنی عام موبائل تک نہیں اور جہاں موبائل ہے تو نیٹ ورک نہیں۔ جو مزدور کام کی تلاش میں دور دراز کے مقامات کو گئے ہیں ان کے مسائل الگ ہیں۔ ان کے بچوں کی تعلیم کے لیے کچھ رضا کار تنظیمیں آف لائن اسکول چلا رہی ہیں۔ مثال کے طور پر دھولیہ ضلع کے ان چاڑے تانڈا کے ضلع پریشد اسکول (پہلی سے چوتھی جماعت تک) ہے جس میں ۱۳۷؍ طلبہ ہیں مگر ۹۰؍ طلبہ کے پاس موبائل فون نہیں ہے۔ اس لیے وہ آن لائن تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ اس اسکول کی صدر مدرس ایک خاتون ارونا پوار ہیں جو ان بچوں کے لیے کسی جگہ بیٹھ کر آف لائن اسکول چلا رہی ہیں۔ پونے ضلع کے ایک دور دراز مقام انجرواڑی (جنّر تحصیل) کے ایک اسکول میں ساتویں جماعت کے دس طلبہ کے پاس آن لائن تعلیم حاصل کرنے کی سہولت حاصل نہیں۔ وہاں 'دبن سانپ' نامی ایک مدرس ان کے گھروں کو جا کر تعلیم دیتے ہیں۔

کرونا وائرس کے قہر سے ملک بھر میں تا حال پچاس لاکھ افراد متاثر ہوئے ہیں۔ ہر ملک، ہر شہر، ہر قصبہ، ہر محلے کی کہانی الگ الگ ہے۔ بستیاں ویران ہو گئیں اور قبرستان آباد ہو گئے۔ اسکولی بچوں کے لیے یہ سال بہت برا ثابت ہوا۔ امید ہے کہ اچھے دن جلد لوٹ کر آئیں گے۔

پرانے سال کا ہر زخم اب بھی تازہ ہے
نہ جانے کون سا تحفہ یہ سال لایے گا

(سعید رحمانی)

حمد و نعت

شارق عدیل
مارہرہ۔ ضلع ایٹہ (یو پی)
Mob-9368747886

دوہا حمد

جو بھی ملے منظور کر سب دادتا کی دین
کالی شب روشن سحر سب داتا کی دین
شہروں کو ویراں کرے ویرانوں کو شہر
کس کے محل کس کے کھنڈر سب داتا کی دین
جس کو چاہے بخش دے اڑنے کی توفیق
کیا کوشش کیا بال و پر سب داتا کی دین
پنچھی سارے دشت کے گاتے ہیں یہ گیت
بیلے پودے اور شجر سب داتا کی دین
کرتا ہوں میں شکر ادا خود پر کر کے رشک
یہ دل، یہ جاں، یہ نظر سب داتا کی دین
☆☆☆

ڈاکٹر یوسف صابر
ایڈیٹر عکسِ ادب۔ روضہ باغ۔ اورنگ آباد
موبائل۔ 9326772575

حمدِ باری تعالیٰ

یہ ستارے یہ ستاروں میں روشنی تیری
یہ تیرا چاند اور چاند میں چاندنی تیری
یہ زمیں، یہ چمن تیرے ہر گلی تیری
یہ بہاریں اور ان بہاروں میں تازگی تیری
☆
تو ستاروں سے کہکشاں بنائے راتوں میں
تو ہی قسمت کی لکیریں بنایے ہاتھوں میں
ہے تیرے بس میں سمندر کی ہر لہر یارب
ترے ہی حکم سے ہوتے ہیں شام اور سحر یارب
☆
ہے سب کی نظروں میں تیرا ہی نور اے مالک
سبھوں کے دل میں ہے تیرا شعور اے مالک
تیری عطا ہے بصیرت کی روشنی بے شک
ہر ایک ذرے میں ہے تیرا ظہور اے مالک
☆☆☆

بلال راز
کنکر ٹولہ۔ پرانا شہر۔ بریلی (یو پی)
موبائل۔ 8954567427

حمدیہ رباعیات

میں طالبِ امداد مددگار ہے تو
سب عیب چھپالے میرے ستار ہے تو
مجرم ہوں ترا مجھ کو ہے اقبالِ جرم
محشر میں مگر بخش دے غفار ہے تو
☆
حاصل جو ہر اک ہم کو یہ نعمت ہے تری
یہ تیرا کرم ہے یہ عنایت ہے تری
سر تا پا خطاکار ہیں ہم پھر بھی مگر
دیتا ہے ہمیں رزق یہ رحمت ہے تری
☆
خالق ہے سب کا تو ہی یہ خلقت ہے تری
جس سمت بھی دیکھو وہ ریاست ہے تری
ہر چیز ترے قبضے میں ہے میرے خدا
کونین کی ہر شے پہ حکومت ہے تری
☆☆☆

صابر کاغذنگری
Qtr,No.C/55.Opp-SBM
KagazNagar.Dt:Adilabad-504296

نعتِ پاک

جہل ناکام ہوا علم کی قسمت جاگی
آپ نے درس دیا فہم و فراست جاگی
خونِ انساں کی جہاں بھر میں نہیں تھی وقعت
ان کی بعثت جو ہوئی جان کی قیمت جاگی
انؐ کا کردار و عمل، سیرتِ اقدس انؐ کی
جاہلیت کی فضاؤں میں شرافت جاگی
سرکشی جھکنے لگی ایک خدا کے آگے
مصطفےٰؐ آیے تو توحید کی عظمت جاگی
مقتدی سارے نبی اور امامت ان کی
مجتبیٰ آیے تو تقدیرِ رسالت جاگی
نامِ احمد کے لیے بوسے قلم نے صابرؔ
نعتِ سرکار سے قرطاس کی قسمت جاگی

عبدالمجید فیضیؔ

12/16، نیاپاڑہ۔سمبلپور۔768002(اڈیشا)
موبائل۔9778291038

آسودگیٔ قلب و نظر ہے کہ نہیں ہے
یہ دردِ محبت کا اثر ہے کہ نہیں ہے

آنکھوں سے مری ہجرِ شہہِ دیںؐ میں ٹپک کر
دامن میں مرے لعل و گہر ہے کہ نہیں ہے

گلیوں میں مدینے کی تصور میں ہوں گرداں
یارو! یہ مرا حسنِ نظر ہے کہ نہیں ہے

ہے چشمِ کرم مجھ پہ سدا نورِ خدا کی
پُرنور مری شام و سحر ہے کہ نہیں ہے

کافور ہوئے جاتے ہیں آلام و مصائب
اخلاصِ عقیدت کا ثمر ہے کہ نہیں ہے

اغیار کے نرغے میں بھی مامون ہے امت
سرکار کا یہ لطفِ نظر ہے کہ نہیں ہے

تقدیر سنورتی ہے جہاں شاہ و گدا کی
وہ سرورِ کونینؐ کا در ہے کہ نہیں ہے

جینے کے مرے واسطے کافی سر و ساماں
یہ سوزشِ دل، دردِ جگر ہے کہ نہیں ہے

فیضان و کرم، داد و نعم فیضیؔ پہ پیہم
یہ سلسلۂ شام و سحر ہے کہ نہیں ہے

مدہوش بلگرامی

224,BaheraSaudagar(East)
Hardoi-241001(U.P)

نعتِ پاک

دعا کی بات کرو یا اثر کی بات کرو
درود پڑھ کے شہہِ بحر و بر کی بات کرو
سوادِ شام کو چھوڑو سحر کی بات کرو
تجلیٔ رخِ خیر البشر کی بات کرو
چلایا جس نے رہِ مستقیم پر تم کو
خلوصِ دل سے اسی راہ بر کی بات کرو
زمیں سے عرش پہ جس سے گئے شبِ اسریٰ
رسولِ پاک کی اس رہ گزر کی بات کرو
نبی کے یوں تو بہت سے ہیں معجزے لیکن
جدید دور میں شق القمر کی بات کرو
نظر جب آئے تصور میں گنبدِ خضریٰ
غمِ فراق میں خیر البشر کی بات کرو
بسا کے آنکھوں میں روضے کی جالیاں مدہوشؔ
دیارِ طیبہ کے ان بام و در کی بات کرو

فیض رتلامی

4B-SamtaNagar(AnandColony)
Ratlam-457001(M.P)
Mob-7879690200

نعتِ پاک

کوئی پوچھے کہ کیا محترم چاہیے
بس مدینہ خدا کی قسم چاہیے
پہلے اللہ کی ہم تو عبادت کریں
بعد میں لب پہ شاہِ امم چاہیے
جو مدینے میں ہیں مالکِ دو جہاں
ان کی ہم پہ نگاہِ کرم چاہیے
حمد اور نعت لکھتا رہے جو سدا
ہاتھ میں سب کے ایسا قلم چاہیے
ہم کو مل جائے پیارے نبی کا دیار
لے لیں وہ جن کو دیر و حرم چاہیے
گڑگڑا کے جو مانگو گے مل جائے گا
صرف سجدے میں فیضؔ آنکھ نم چاہیے

شاخ انورؔ

BadhMohalla.NearMotiMasjid
Adilabad-504001(A.P)

نعتِ پاک

میں کرتا رہوں مدحتِ سلطانِ مدینہ
ہو مجھ سے بیاں سیرتِ سلطانِ مدینہ

ممکن ہی نہیں اس کا ادا شکر بھی کرنا
امت پہ ہے جو شفقتِ سلطانِ مدینہ

اس کی تو نمازوں کی بھی وقعت نہیں کوئی
جس کو بھی نہیں رغبتِ سلطانِ مدینہ

خوش بخت وہی ہوگیا اللہ کے نزدیک
جس کو بھی ملی قربتِ سلطانِ مدینہ

بدبخت ہے وہ خلد میں داخل نہیں ہوگا
جو رکھتا نہیں نسبتِ سلطانِ مدینہ

جاتا ہے مدینے کو وہی دل میں جو اپنے
رکھتا ہے سدا الفتِ سلاطانِ مدینہ

وہ راہ بھٹکتا ہی نہیں زیست میں جس کی
ہے راہ نما صورتِ سلطانِ مدینہ

اللہ کو محبوب وہ بندہ ہے جو انورؔ
کرتا ہے ادا سنتِ سلطانِ مدینہ

عبدالسلام کوثر
ShastriChowk.Tulsipur
Rajnandgaon-491441(C.G)

انسانیت کے دشمن

نثار میں تری گلیوں پہ اے وطن کہ جہاں   چلی ہے رسم مسلماں نہ سر اٹھا کے چلے
نماز پڑھنے عبادت گزار یوں نکلے   نظر جھکا کے چلے جسم و جاں بچا کے چلے

☆

کورونا آیا قہر ڈھا کے جایے گا لیکن   عجیب کھیل نظر آیا پھر سیاست کا
ہوا کچھ ایسی اڑائی گئی تعصب کی   ہماری قوم نشانہ بنی حقارت کا

☆

شہد سے میٹھے کئی شعر ہم نے تم کو دیے   تمہارے لہجے میں لیکن مٹھاس آ نہ سکی
پلاؤ، قورمہ، بریانی کی یہ لذت بھی   تمہارے دل سے کدورت مگر مٹا نہ سکی

☆

جو اتفاق سے موقع تمھیں نصیب ہوا   ہمارے مذہب و ملت پہ طعنے کستے ہو
تمہارے دل میں جو ناسور ہے عداوت کا   اسی کو زہر کی صورت میں تم اگلتے ہو

☆

تمہارے سینے میں نفرت، حسد ہے کینہ ہے   اور ہم پہ ڈالتے ہو تم نظر حقارت کی
تو یہ بتاؤ کہ چشتیؒ کے آستانے پر   چڑھاتے رہتے ہو کیوں چادریں عقیدت کی

تمھیں غرور کہ تم نے لڑی مہا بھارت   ہمیں ہے ناز کہ ہم کربلا کے غازی ہیں
تم اپنی پوجا ہَوَن پر یقین رکھتے ہو   تو پانچ وقت کے ہم لوگ بھی نمازی ہیں

☆

کلامؔ ٹیپو اور اشفاق سے یہ ظاہر ہے   ہمارے دل میں ازل سے وطن پرستی ہے
بجایے اس کے ہمارا تم احترام کرو   تمہاری آنکھوں سے نفرت ہی کیوں ٹپکتی ہے

☆

کچھ ایسا کام تو کر جاؤ جس سے ظاہر ہو   وطن پرست ہو اور شانتی کے دوت ہو تم
تمہاری حرکتیں انسانیت کی دشمن ہیں   میں کیسے مان لوں کہ دیش کے سپوت ہو تم

☆☆☆

انجنا کشش
LecturerUrdu.Govt.GirlsInterCollege
Fatehpur-212601

خزاں آلود موسم کی کہانی

میں اپنی پرچھائیں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے
جوانی کی دہلیز پار کر گئی/ آسمان کا ایک ٹکڑا
ابر آلود/ میری زمین پر پھیلا ہوا تھا
میرا سراپا/ اندر ہی اندر ٹوٹ رہا تھا
وہ تمکنت، وہ بانکپن/ وہ سحر طرازی نہیں رہی تھی
بالوں میں ستاروں کی کرن جھلملانے لگی تھی
ہونٹوں کے گلاب مرجھانے لگے تھے
چہرے پر افتادِ زمانہ کی جھلکیاں
صاف نظر آنے لگی تھیں
تمام خواہشیں، آرزوئیں اور تمنائیں
خزاں رسیدہ پتے کی مانند ہو رہی تھیں
آگے پیچھے بس ویرانی ہی ویرانی کا موسم
زندگی اب خزاں آلود موسم کی کہانی تھی

نسیمہ لکھنوؔ
12/411, LaxmanDasBuilding
NishatGanj.Lucknow-226007

میں نے تو اب/ خواب دیکھنا چھوڑ دیا ہے
زندگی سے الجھنا چھوڑ دیا ہے
تصور سے بہلنا/ چھوڑ دیا ہے
خاکوں میں رنگ بھرنا/ چھوڑ دیا ہے
آئینے میں دیکھنا خود کو
چھوڑ دیا ہے
آرائش و زیبائشِ دنیا/ رنگ و نور کے مناظر
سجانا چھوڑ دیا ہے
بس اپنی ویرانی کے ساتھ زندہ ہوں
خود کو اپنا سمجھنا چھوڑ دیا ہے
مرنے کی خواہش میں/ جینے کا ارماں چھوڑ دیا ہے

سردار خواجہ معین الدین (سردار ساحلؔ) ریسرچ اسکالر فن و شخصیت
نگران کار: ڈاکٹر ایس۔ محمد یاسر
سی۔ عبدالحکیم کالج میل وشارم ٹمل ناڈو

تحقیق اور تنقید ایک تعارف

تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے جو اسم مشتق ہے۔ یہ لفظ باب تفعیل سے مصدر ہے۔ اور اردو زبان میں حاصلِ مصدر استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مادہ ح ق ق حقق 'یحقق' تحقیقاً سے ماخوذ ہے۔ اردو لغت میں اس کا معنی چھان بین' دریافت' سراغ' کھوج' تلاش' صادق تلاش حالات واقعات کا معلوم کرنا اور بیان کرنا' تصدیق کرنا صحیح ودرست وغیرہ کے ہیں۔ جب کہ تنقید بھی عربی لفظ ہے جو نقد سے مشتق ہے۔ عربی زبان میں نقد کھوٹا کھرا' پرکھنے کو کہتے ہیں جب ادب میں کسی فن پارہ کو جانچا جاتا ہے تو اس عمل کو نقدِ ادب ادبی تنقید یا انتقاد کہتے ہیں۔ تحقیق کرنے والے کو محقق اور تنقید کرنے والے کو نقاد' ناقد' تنقید نگار کی اصطلاح مستعمل ہے۔

لفظِ کُن کے بعد دنیا وجود میں آئی حضرت آدم اور اماں حوا کو زمین پر اتارا گیا تو دونوں میں پروان چڑھنے والا پہلا جذبہ تلاش وتحقیق کا تھا۔ ایک دوسرے کی کھوج شروع ہوئی۔ اس طرح تحقیق کا سلسلہ آدمی کے وجود کے ساتھ ہی پیدا ہوا اور تا قیامت جاری رہے گا۔ تحقیق وتنقید کے ذریعہ ہی انسانی زندگی کی نشونما عمل میں آئی انقلاب برپا ہوئے نئی ایجادات اور دریافتیں ہونے لگیں سائنس نے روز شب نئی راہیں نکالی ترقی کے منازل طے کیے اور کررہی ہے۔ ان تمام افعال کا دارومدار تحقیق اور تنقید کے اردگرد گھومتا ہے۔

تحقیق معلوم سے نامعلوم اور نامعلوم سے معلوم کی طرف پیش قدمی کا نام ہے۔ جبکہ تنقید موجودہ مواد' نظریات اور رجحانات کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر بحث کرتی ہے۔ تحقیق اور تنقید پر اکابرینِ ادب کے خیالات ملاحظہ فرمائیے:

میتھو آرنالڈ کے مطابق ''پہلے تحقیق ہے پھر تنقید''۔

قاضی عبدالودود کا خیال ہے کہ ''تحقیق کسی امر کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے''

جمیل جالبی کا کہنا ہے ''تحقیق دراصل تلاش وجستجو کے ذریعہ حقائق معلوم کرنے اور ان کے تصدیق کرنے کا نام ہے''

عبدالستار ردلوی کا بیان ہے ''کسی مسئلے کے قابل حل اور صحیح نتائج تک پہنچنے کا وہ عمل ہے جس میں ایک منظّم طریقہ کار حقائق کی تلاش و تجزیہ اور تفصیل کاری پوشیدہ ہوتی ہے''

رابرٹ سن تنقید کو جستجو اور کاوش کا ایک شعبہ قرار دیتا ہے۔ انسان میں ذوق وجستجو ہوتا ہے جو نئی باتوں کو دریافت کرنے اشیاء کا علم حاصل کرنے اور اس کو بیان کرنے سے عبارت ہے''۔

عام طور پر یہ مثال مشہور ہے کہ تنقید کا کام دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرنے کا نام ہے۔ تو اس خصوص میں میں کہنا چاہوں گا کہ تحقیق ہمیں ثابت کردیتی ہے کہ دودھ خالص نہیں ہے پانی ملایا گیا ہے۔ جبکہ تنقید ہمیں یہ وضاحت عطا کرتی ہے کہ کہ پانی کتنی مقدار مے ملایا گیا ہے دودھ کا فیصد کیا ہے اور پانی کا فیصد کیا ہے۔ آخر ملاوٹ کے وجوہات کیا ہیں کیوں ملایا گیا۔ یہ ہمیں تنقید کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔ اور ہم کو اس بات کا درس ملتا ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے کس طرح مناسب انداز میں مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے۔

تنقید ایک مثبت اور کارآمد طریقہ کار ہے یہ سچ اور جھوٹ' صحیح اور غلط کا انصاف کے ساتھ فیصلے کا کام کرتی ہے۔ مگر آج کل تنقید کو منفی معنوں میں استعمال کیا جارہا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں تحقیق اور تنقید کی ضرورت اور اہمیت مسلم ہے۔ تاریخ' فنون وادب' سائنس اقتصادیات سیاسیات وغیرہ شعبوں میں تحقیق کے بغیر تبدیلی اور ترقی ممکن نہیں ہے۔

آج جو شعبہء جات ترقی پذیر ہیں کچھ دہائیوں پہلے ان کی صورتِ حال پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ اُن شعبہ جات میں کس قدر انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ہر شعبۂ حیات میں تحقیق وتنقید کا عمل متواتر جاری رہتا ہے۔ تحقیق کے میدان میں سمت ورفتار کا تعین کرنا مشکل امر ہے۔ کیونکہ مختلف محکمات میں تحقیق کی سمت ورفتار مختلف ہوتی ہے۔ کسی شعبے میں اس کی سمت ورفتار تیز گام ہوتی ہے۔ کسی میں اوسط درجے کی تو کسی میں سست رو۔

موجودہ عہد میں لسانیات کے میدان میں تحقیق پر زیادہ توجہ دی

جارہی ہے۔زبانوں کے مزاج اُن کے نحوی ڈھانچے اور اسلوب پر زیادہ کام ہورہا ہے۔زبانوں کے ایک دوسرے پر اثرات اور ان کے اختلاط سے پیدا ہونے والی نئی لفظیات اور لغت سازی پر تحقیق کی سمت ورفتار نسبتاً تیز تر ہے۔

تنقیدی عمل کے ذریعہ ہی کسی تخلیق کی قدر کا تعین کیا جاتا ہے۔ادب میں قاری و سامع کو رومانی تحریروں کے ذریعہ تفریح طبع کا سامان فراہم کیا جاتا تھا۔پھر یہ نظریہ سامنے آیا کہ ادب محض تفریح طبع کا سامان نہیں ہے کہ بلکہ ادب کے ذریعہ معاشرے کی اصلاح کا کام لیا جائے۔اس تنقیدی نظریہ کے زیر اثر ترقی پسند تحریک کی بنیاد رکھی گئی۔اور ادب میں حقیقت پسندی کے رجحان کو فروغ حاصل ہوا۔زندگی کے مسائل اور مشکلات کو ادب کا موضوع بنایا جانے لگا،گویا ادب زندگی کا ترجمان بن گیا۔اس تنقیدی نظریہ کے رد میں ایک اور نظریہ پیدا ہوا کہ ادب کا کام صرف زندگی کی ہو بہو تصویر کشی نہیں ہے بلکہ ادب اپنی حقیقتوں کو دریافت کرے اور اسے روزمرہ سطح سے اٹھا کر انکشاف کے درجہ پر لائے۔اس نظریہ نے ادب میں جدید رجحانات کو فروغ دیا۔اور ادب میں زندگی اور انسان کی پیچیدہ اور گنجلک حقیقتیں پیش کی جانے لگیں۔تشکیل،ردتشکیل،ساختیات اور پس ساختیات جیسے افکار جدیدیت کی پیداوار ہیں۔اس نظریہ کی وجہ سے سے ادب میں افہام وترسیل کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا اور ادب سے قاری اور سامع کا رشتہ منقطع ہونے لگا۔اس صورت حال میں ایک اور نظریہ مابعد جدیدیت کے عنوان سے سامنے آیا اور اس نے ادب کا رشتہ عام آدمی سے جوڑنے کی کوشش کی۔اس نظریہ نے ادب کی آفاقی حیثیت کی جگہ ادب کی مقامی حیثیت کو اہمیت دی۔اس ساری ادبی صورت حال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ادب پر تنقیدی نظریات کا غلبہ رہا ہے۔اور ادب کو کسی نہ کسی نظریہ کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس سے ادب کی آزادی پر ایک سوال پیدا ہوتا رہا ہے۔موجودہ عہد میں تخلیق کار نے ناقد کی بالادستی اور نظریات کے تسلط کو مسترد کر دیا ہے۔اب تخلیق کو کسی خارجی نظریہ سے دیکھنے کے بجائے تخلیق کے داخلی عناصر وعوامل اور تقاضوں پر بحث قائم کی جارہی ہے۔

تحقیق وتنقید کی قدریں مستقل نہیں ہوتیں بلکہ وقت اور زمانے کے ساتھ ساتھ تحقیق وتنقید کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں۔

اردو تحقیق کے متعلق اگر ہم جامعات کا جائزہ لیں گے تو جہاں ہمیں خوشی اور فخر محسوس ہوتا ہے۔وہیں تحقیق کے گرتے ہوئے معیار کو دیکھ کر مایوسی ہوتی ہے۔وہ اس لیے کے آئے دن ریسرچ اسکالرس میں 50 فیصد سے زیادہ ایسے اسکالرس ملیں گے جن میں اپنے تحقیقی موضوع کے ساتھ سنجیدگی کا فقدان نظر آتا ہے۔ان کی تحقیق برائے نام ہوتی ہے صرف ڈگری حاصل کرنا ان کا نصب العین ہوتا ہے۔ایسی تحقیقات سے نا تو زبان وادب کو فائدہ پہنچتا ہے اور نا ہی اسکالر کو ایسی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے نگران کار کو باریک بینی اور سخت رویے سے اسکالر کی رہنمائی کرنے کی ضرورت ہے تا کہ آنے والی نسلوں کے لیے راہیں ہموار ہوں۔یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ میں نے کئی ایسے ڈاکٹر دیکھے جن کو خوش نصیبی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل ہو گئی جوان کو ان کے تحقیقی عنوان کے متعلق سوال کیے جاتے ہیں تو وہ جواب دینے سے قاصر ہیں۔ہر ریسرچ اسکالر کو اپنے موضوع کے تئیں سنجید۔گی اور دست رس ہونی چاہیے۔تحقیق نئی معلومات سے آشکار کرانے کا نام ہے نا کہ پامال خیالات کو دوبارہ پیش کرنے کا نام۔☆☆☆

حیرت فرخ آبادی

KhoslaHouse.NorthOfficePara
Doranda.Ranchi-2

ایک غزل

ہراک کو حالِ غمِ دل کبھی سناؤ مت
جہاں نہ پیار ملے اس جگہ پہ جاؤ مت
بہت سنبھال کے اس شہر میں قدم رکھو
بہت زیادہ کسی گھر میں آؤ جاؤ مت
کہاں کا پیار' کہاں کی وفا' فسانے ہیں
کتابیں پڑھ کے کہانی ہمیں سناؤ مت
کٹھن ہے جھیلنا رشتوں کے ٹوٹنے کی کسک
کسی سے اتنے تعلق کبھی بڑھاؤ مت
جو جا رہا ہے جدھر اس کو ٹوکنا ہے فضول
کسی کو راستہ بھولے سے بھی دکھاؤ مت
یہ دھوپ چھاؤں تو ہیں ایک دوسرے کی ضد
فضول ان کے لیے اپنا دل دکھاؤ مت
یہ انکساری بجا پھر بھی اتنا یاد رہے
یہ سر عظیم ہے اتنا اسے جھکاؤ مت
غموں کی دھند میں' تنہائی کے اندھیروں میں
چراغ راہ ہے ماضی اسے بجھاؤ مت
بچا کے رکھ لو انھیں آنے والے وقتوں کو
بہت ہیں قیمتی آنسو انھیں گراؤ مت
جہاں میں آئے ہو جاؤ گے ایک دن حیرت
یہ راستہ ہے یہاں اپنا گھر بناؤ مت

لطیف ثانی
SecondRagodi
ShriLaxmiApartmen1
Mob-7031499499

پرتوِ ''نورِ افکار''

سرزمینِ شیگاؤں (ضلع بلڈانہ) کو ودربھ کے سب سے خوبصورت شہر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس شہر کو مہاراشٹر ٹورازم ڈپارٹمنٹ (MTDC) کی جانب سے تفریحی مقام کا درجہ دیا گیا ہے۔ یہاں ہر چوک اور ہر چوراہے کی تزئین کاری کی گئی ہے۔ یہاں کا خوبصورت اسکائی واک (نزد جامع مسجد)' شہر کا اڑان پل' نند ساگر (ایک وسیع باغ) قابلِ دید ہیں۔ یہاں کی وسیع و عریض شاہراہیں وسیع القلبی کی علامت ہیں۔ ہر چار گز کے فاصلے پر سڑک کے کنارے درخت لگوائے گئے ہیں۔ یہاں کے صاف وشفاف ہوٹل اور لاج زائرین کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔ اس شہر کی مجموعی خوبصورتی کے لیے مہاراشٹر سرکار نے ۵۰۰/کروڑ روپے خرچ کیے ہیں۔ اس شہر کی ایک ہی روڈ پر چار انجینئرنگ کالج قائم ہیں جہاں ہندوستان کی مختلف ریاستوں کے طلبہ وطالبات زیرِ تعلیم ہیں۔ آئے دن ادبی نشستیں' چھوٹے بڑے مشاعرے اور ثقافتی وعلمی اجلاس کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔ یہاں کا اشاعتی کام بھی اطمینان بخش ہے۔ ۱۹۷۰ء میں محترم سید سبحان انجم کی عروض پر ایک کتاب ''ابتدائی علمِ عروض'' کے علاوہ ہندی اور اردو میں ۵/کتابیں اور شاعرِ شباب' شہنشاہِ قطعات مرحوم عظیم انجم صاحب کے قطعات کا مجموعہ ''دھوئیں کے پتلے'' بھی شائع ہوچکے ہیں۔ اسی طرح عزیز خاں عزیز کی بچوں کے لیے لکھی کتاب ''لفظوں کی مالا'' غزلیہ مجموعہ ''دھواں دھواں بدن'' یٰسین براری کے دو مجموعے' ڈاکٹر انوار احمد خاں (مرحوم) کی تصنیف علم ہجاء اور دیگر کتابیں' راقم الحروف کی تحقیقی کتاب ''سنگلاخ زمینوں کا مسافر'' اور سید سبحان انجم کی مرتبہ کتاب ''ذکرِگل'' (شعرائے شیگاؤں کا تذکرہ) کی اشاعت سے یہاں کی علمی وادبی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ سائنس کے موضوع پر حوالدار سلیم الدین عامر کا کتابچہ ''مدارس میں سائنس کلب ایک تاثر مئی ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اور اب ۱۷/اگست ۲۰۱۹ء میں ان کا شعری مجموعہ ''نورِ افکار'' منظرِ عام پر آچکا ہے جس کی رسمِ اجرا ایک عالیشان بنگلہ قمر پیلس میں راقم کے زیرِ صدارت منعقد ہوئی تھی۔ ۲۰۱۶ء میں محبی متین احمد مشتاق احمد نے فارسی کی دلچسپ کہانیوں کا اردو ترجمہ ''صدق الحکایات'' کے نام سے شائع کیا ہے اور عنقریب شریف ساجد کا مجموعۂ کلام منظرِ عام پر آنے والا ہے۔

آج ہمارا موضوعِ سخن حوالدار سلیم الدین عامر کا مجموعۂ کلام ''نورِ افکار'' ہے۔ اس میں حمد ومناجات' نعوتِ پاک' منظومات' بچوں کے گیت' غزلیات' اور قطعات شامل ہیں۔ انتساب تمام محبانِ اردو کے نام کیا گیا ہے۔ پیش لفظ ڈاکٹر قمر گوالیاری نے تحریر کیا ہے جبکہ تعارف سید سبحان انجم عروضی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ ساتھ ہی حوالدار سلیم الدین عامر کی شاعری پر ایک تبصراتی مضمون مرحوم ڈاکٹر انوار احمد خاں کا بھی شامل ہے۔

اس میں بچوں کے لیے جو منظومات شامل ہیں ان میں بچوں کی استعداد اور ان کی دلچسپی کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ چند نظموں کے عنوانات ہیں: چلو قرآن پڑھتے ہیں' دینِ خدا ہے لاثانی' درسِ اقبال' نفس کے نام' انتباہ' بلاؤں کا سامان' کسان اے فخرِ وطن' خدماتِ انجمن' باوفا دوست کے نام' شراب کی مذمت میں وغیرہ۔ مجموعہ کل پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں حمد ومناجات ہے۔ ان کی ایک حمد کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ستاروں کو کیا روشن گلوں کو رنگ و بو بخشی
پہاڑوں کو کیا اونچا تو دریا کو روانی دی
کبھی ساگر میں دو پانی ملا کر بھی جدا رکھا
کرشمہ اپنی قدرت کا دکھانے یہ نشانی دی
گنہگاروں میں عامؔر ہے مگر تو نے اے مولا
چمن دلکش عطا کر کے چمن کی باغبانی دی

یہ اشعار جہاں ربِ دوعالم کی خلاقی کی نمونے پیش کرتے ہیں وہیں ان سے کرشمۂ قدرت کے تعلق سے بچوں کی معلومات میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ حوالدار سلیم الدین عامر بنیادی نقطۂ نظر سے سچے' اچھے اور دیندار شخصیت کے مالک ہیں جو اپنے پیشے سے بھی برابری کا انصاف کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ فطرت میں عاجزی وخاکساری شامل ہے جس کا اظہار مذکورہ مقطع میں نمایاں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عامؔر ایک گنہگار وخطا کار بندہ ہے۔ اس کے باوجود خدا نے اسے نہ صرف ایک دلکش چمن عطا کیا ہے بلکہ اس کی نگہبانی کا شرف بھی بخشا ہے۔ یہ بات انھوں نے اشاراتی زبان میں کہی ہے۔ موصوف شیگاؤں کے

معروف ادارہ انجمن اردو ہائی اسکول اور جونیر کالج میں بحیثیت سوپر وائزر اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

بچوں کی علمی استعداد اور صلاحیت کو پروان چڑھانے کی غرض سے علمی، ثقافتی، اخلاقی، تہذیبی اور دینی تربیت کا جذبہ ان کے دل میں ہمیشہ موجزن رہتا ہے۔ چونکہ نعتیہ شاعری ان کی پسندیدہ صنف ہے اس لئے نعت کے وسیلے سے بارگاہِ رسالت مآب میں نذرانہ عقیدت اس طرح پیش کرتے ہیں:

جس کی تعلیم سے ہے جہاں میں ضیا۔ جس پہ پڑھتے ہیں عشاق صلِ علیٰ
جس کے رب نے بنائے ہیں ارض وسما۔ وہ ہے ذاتِ محمدؐ حبیبِ خدا

درود شریف کا وظیفہ اکثر و بیشتر وردِ زبان رہتا ہے۔ ایک ملاقات کے دوران اپنی اس آرزو کا اظہار عامرؔ نے میرے روبرو کیا تھا کہ کیا ہی اچھا ہوگا اگر ہمارا بھی شمار کثرت سے درود شریف پڑھنے والوں میں ہو جائے۔ یہ خیال انھیں اس لیے آیا کہ انھوں نے کہیں سے سن رکھا تھا کہ علامہ اقبال نے اپنی مصروفیات کے باوجود ایک کروڑ مرتبہ درود شریف پڑھنے کا اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ تحدیثِ نعمت کے طور پر وہ گزشتہ گیارہ برسوں میں کوئی پچاس لاکھ مرتبہ درودِ پاک پڑھنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں (واللہ اعلم)۔ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ انھوں نے ابتدا میں روزانہ پچاس مرتبہ درود شریف پڑھنے کا معمول بنایا تھا جو بڑھتے بڑھتے اب ۱۵۱۳/ بار پڑھنے کا معمول بن چکا ہے۔

مجموعے کے آخر میں شامل قطعات شاعر کے تجربات کا نچوڑ ہیں۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عامرؔ کی شاعری میں جذبات کی عکاسی، درسِ انقلاب، وفاداری، ایمان داری، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ایمان ویقین کی باتیں، تاریخی اشارے، ماضی کی عظمتیں، اختراع وایجادات کی اہمیت، ایثار وقربانی، حفظِ ماتقدم، حوصلہ وجرأت، کائنات کی بے ثباتی، راہِ حق سے وابستگی، خود شناسی، عزمِ محکم، اعلیٰ قدروں کی پاسداری، رذالت سے اجتناب، پاکیزہ افکار وخیالات کی ترجمانی بحسن وخوبی ہوئی ہے۔ اس مجموعے کے ناشر ایاز الدین اشہر ؔندوروی نے بھی موصوف کی خوش فکری کا اعتراف کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ''نورِ افکار'' مقصدی شاعری کا ایک ایسا چراغ ہے جس کی روشنی سے بچے اور بڑے یکساں کسبِ فیض کرتے رہیں گے۔ اس مجموعے کے تمام متعلقین کو ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے ساتھ ساتھ سلیم الدین عامرؔ کے حق میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں مزید رفعتیں عطا فرمائے۔

☆☆☆

(ادھر جنت اُدھر دوزخ کا بقیہ)

تاج محل سے گزرتے ہوئے وہ حیدر آباد پہنچ جاتا ہے جہاں اسے چار مینار، مکہ مسجد، قلعہ گولکنڈہ، سات گنبدیں، سالار جنگ میوزیم، موسیٰ ندی، تالاب میر عالم، زو پارک، عثمانیہ یونیورسٹی، عابڈس اور زمرد محل کے خوبصورت نظارے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ آخر میں وہ خود کو اپنے گاؤں مستان پور میں پاتا ہے جہاں اس کی منگیتر روبینہ اس کی راہوں پر پلکیں بچھائے بیٹھی نظر آتی ہے۔ وہ بہت خوش تھا کہ ایر پورٹ پر پہنچ کر سب سے پہلے اپنے ماموں کی قدم بوسی کرے گا۔ پھر روبینہ کو گلے لگائے گا اور اس کی چھوٹی بہن کو چمٹا لے گا۔

بالآخر ہوائی جہاز نے لینڈ کیا۔ وہ ایر پورٹ سے باہر نکلا تو ویٹنگ گیلری میں اس کے ماموں، مامی، روبینہ اور اس کی چھوٹی بہن کوئی بھی نہیں تھا۔ جب روبینہ نے ہوا میں ہاتھ لہرا کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ اسے پہچان ہی نہ سکا۔ اس کی نظریں تو ایک چھریرے بدن والی سانولی سلونی دوشیزہ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ روبینہ اس سے لپٹ کر بے تحاشہ رونے لگی۔ عامر نے بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا اور پوچھا ماموں اور امی جان کیوں نہیں آئے، طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟

ایک اور نسوانی آواز نے اسے چونکا دیا ''بھائی جان! آپ یہاں سے نکلیں تو سہی۔ کار میں ساری باتیں ہو سکتی ہیں''۔ عامر کے سامنے ایک دبلی پتلی سے حسین لڑکی، گورا چٹا رنگ، دراز قد جوان اور ایک چار سالہ ننھی منی سی لڑکی کھڑی نظر آئی۔ عامر نے استفہامیہ نظروں سے روبینہ کی طرف دیکھا تو اس نے کہا: ''نہیں پہچانا؟ یہ شبینہ ہے تمہاری منی جسے تم گود میں اٹھائے پھرا کرتے تھے۔ یہ ناصر ہیں منی کے شوہر اور یہ چھوٹی منی ان کی بیٹی ہے۔ اب چلئے گاڑی میں ساری باتیں بتاتی ہوں''۔

راستے میں روبینہ اور عامر نے اپنی اپنی کہانی سنائی پھر عامر کہنے لگا: '' آفرین ہے روبینہ! تم نے اکیلے ہی اتنی ساری ذمہ داریاں سنبھالیں اور میرا انتظار بھی کرتی رہی۔ روبینہ عامر کے کاندھے میں اپنا سر ٹکاتے ہوئے بولی: ''تم نے بھی تو تنہا اپنے سینے پر تکلیفوں کے پہاڑ سہے ہیں۔ امی جان کو اسی دکھ نے کھالیا کہ شاید وہاں تم نے اپنا گھر بسالیا ہے اور ابو کو امی کے دکھ نے کھالیا''۔

عامر نے ایک لمبی سانس بھری اور کہا: یہی نہ کرنے کی سزا تو میں بھگت رہا ہوں۔ جنت کی ناشکری نے مجھے دوزخ کا مزہ چکھا دیا ہے۔''

گاڑی مستان پور میں داخل ہوئی تو عامر نے ایک جگہ اسے رکوا دیا اور ناصر سے کہا: ''سب سے پہلے میں اپنے ماموں جان اور مامی صاحبہ سے ملنا چاہوں گا۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اتنا سنتے ہی ناصر نے گاڑی گاؤں کے قبرستان کی جانب موڑ دی۔

☆☆☆

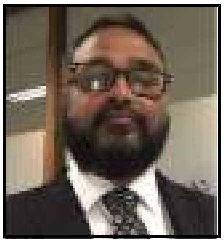

سید خادم رسول عینی
Union Bank of India
Bhusawal Branch
Tinber Market, Bhusawal
Dist. Jalgam-425201

علامہ قدسی کی شاعری (دوسری قسط)

علامہ سید اولاد رسول قدسی سلسلۂ امیر مینائی کے معروف، مشہور اور مقبول شاعر کا نام ہے ۔آپ نعتیہ شاعری کے میدان میں ممتاز، معتبر اور منفرد مقام و مرتبہ کے حامل ہیں۔آپ کی شاعری تقریباً چالیس برسوں کو محیط ہے۔نعتیہ ادب میں آپ کی خدمات حرف زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔آپ نے صرف کٹک یا ممبئی نہیں بلکہ نیو یارک کو بھی مقدس نعتیہ ادب کا مرکز بنایا۔

آپ کی پذیرائی وقت کے نامور نقاد اور قابلِ اعتبار ادبی شخصیتوں نے کی ہے کیونکہ زبان و بیان پر بے انتہا عبور کے ساتھ ساتھ آپ ایک قادر الکلام شاعر بھی ہیں۔ایک نعتیہ کلام نظر سے گزرا ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ مطلع سے مقطع تک سارے اشعار بدیع صنعت سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔مطلع فصاحت و بلاغت کے نور سے مزین ہے۔''قصرِ رفعت کے معمار'' میں جو جامعیت ہے وہ کسی دوسرے فقرے میں نظر نہیں آتی۔

ایک بار ایسا ضیا بار ہوا ان کا کرم
بار بار اب بھی وہ سو بار نظر آتا ہے

اس شعر میں شعریت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔صنعتِ تجنیس تام کی روشن مثال ہے اس شعر میں ضیا بار کی جگہ روشن استعمال کرتے تو بات بن جاتی تھی لیکن شعر میں لفظی خوبی اور صنعتِ تجنیس کا فقدان ہوتا۔اس لیے آپ نے ضیا بار کا لفظ استعمال کیا تاکہ معنویت کے ساتھ ساتھ لفظی خوبی بھی ضیا بار رہے۔اس شعر میں صنعتِ سیاق الاعداد کی جلوہ گری بھی ہے:

کہہ رہا ہے یہ فلک روتا ہوا زار و قطار
غم زدہ دین کا گلزار نظر آتا ہے

اس شعر میں فلک کی تجسیم خوب ہے اور صنعتِ محاورہ کے استعمال نے شعر میں مزید حسن پیدا کر دیا ہے۔یہ علامہ قدسی کا طرۂ امتیاز ہے کہ روایتی مضمون کو نئی ترکیبات کے ساتھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ مضمون بھی نیا لگنے لگتا ہے۔اس قبیل کا یہ شعر دیکھیں:

سامنے فوج توسل کے، غمِ دوراں کا۔ مجھ پہ بیکار ہر اک وار نظر آتا ہے

وسیلے کے تعلق سے نئے پیرایے میں شعر کہا گیا ہے اور اسلوبِ بیان میں جدت ہونے کے ساتھ ساتھ مضمون اور مفہوم میں بھی جدت کا حسن آ گیا۔

سوئے کردار و عمل کا ہے بھیانک یہ اثر
تار تار امن کا جو تار نظر آتا ہے

یہ تلمیحی شعر بہت عمدہ ہے۔تلمیح کے ساتھ ساتھ صفِ تجنیس زائد سے بھی آراستہ ہے۔

خوار تھا، خوار ہے، وہ خوار رہے گا ہر دم
جس کو ایمان کا گل خار نظر آتا ہے

اس شعر میں تکرار کا حسن بھی ہے اور صنعتِ تجنیس زائد کا کمال بھی اور صنعتِ قرن کی خوبصورتی بھی۔

اس سے گلزارِ شفا میں مہک کا سیلان
عشق احمد میں جو بیمار نظر آتا ہے

اس شعر میں پیکر تراشی بڑے حسین پیرایے میں کی گئی ہے۔پیکر تراشی باصرہ بھی ہے اور شامہ بھی۔گلزارِ شفا، مہک کا سیلان ایسی تراکیب ہیں جن سے شعریت میں اضافہ ہوتا ہے۔

دینِ اسلام کے دریا کا ہر اک قطرہ مجھے
موجۂ جذبۂ ایثار نظر آتا ہے

یہ شعر بھی بدیع صنعتوں سے خالی نہیں ہے۔ساتھ ہی صنعتِ مسمط کی بہترین مثال ہے۔علامہ قدسی کو اس شعر کے لیے خصوصی مبارکباد۔اسی صنعت سے آراستہ تلمیذ قدسی سید عینی کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

ان کے اخلاق کی تلوار کے آگے ہر دم۔ مات کھاتا ہوا پندار نظر آتا ہے

مقطع لاجواب ہے۔ملاحظہ فرمائیں اور محظوظ ہو کر اپنا سر دھنیے:

چارہ ہوتے ہی نظر حرفِ ندا سے قدسی
کرب خود کرب سے دوچار نظر آتا ہے

اس شعر میں بدیع صنعتوں کا جمِ غفیر ہے۔صنعتِ محاورہ بھی ہے، صنعتِ

تجنیس تام بھی اور صنعتِ سیاق الاعداد بھی۔غرض یہ کہ علامہ قدسی علمِ بدیع میں مہارتِ تامہ اور دسترس رکھتے ہیں۔آپ کے ذیشان اس کے بین ثبوت ہیں۔

آپ کا کلام فصاحت و بلاغت سے مزین ہونے کے ساتھ ساتھ تشبیہات،استعارات اور علائم کے حسن سے آراستہ و پیراستہ بھی ہے اور اس میں مختلف شعری صنعتوں کی جلوہ گری بھی پائی جاتی ہے۔

دوسرے ایک کلام کا مطلع ہے:

ان کی باتوں کو تو قرآں لکھ دے
لوحِ محفوظ کا ارماں لکھ دے

اس شعر میں حسنِ تشبیہ جلوہ گر ہے۔تشبیہ حسی بھی ہے اور تشبیہ عقلی بھی۔سرکارِ دوعالم کی باتوں کو پہلے مصرع میں قرآن سے تشبیہ دی گئی ہے اور دوسرے مصرع میں لوحِ محفوظ سے۔ایک ہی شعر میں ڈبل تشبیہ علامہ قدسی کا طرۂ امتیاز ہے۔یہاں مشبہ کا تعلق سمع سے اور مشبہ بہ کا تعلق عقل سے ہے۔اور وجہِ تشبیہ تقدس ہے۔ان خوبصورت تشبیہات کی وجہ سے مطلع میں بلکہ پورے کلام میں شعریت چھائی ہوئی ہے۔

علامہ قدسی کی اس زمین پر راقم الحروف نے بھی ایک نعتیہ کلام کہا ہے جس کا ایک شعر یوں ہے:

قوم کا نیل بہت خشک ہے اب
اے عمر پھر کوئی فرماں لکھ دے

اس شعر میں قوم کو نیل تشبیہ دی گئی ہے اور وجہِ تشبیہ آشفتگی ہے۔

بہر حال اب آیئے علامہ قدسی کے دیگر اشعار کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ان کی بعثت کو دوعالم کے لیے
ربِ کونین کا احساں لکھ دے

یہ شعر قرآن وحدیث کی ترجمانی کر رہا ہے۔نعتیہ کلام میں اس قسم کے اشعار کو تلمیذِ مرزا غالب،ماہرِ علمِ عروض اور ''مقدمہ شعر و شاعری'' کے مصنف الطاف حسین حالی بہت پسند فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نعت کا بہترین شعر وہ ہوتا ہے جو قرآن وحدیث سے ماخوذ ہو۔الحمدللہ علامہ قدسی نے بیشتر نعتیہ اشعار قرآن وحدیث کی روشنی میں کہے ہیں۔مثلاً:

بلا وسیلہ وصالِ خدا نہیں ممکن
بشر حبیب سے مل کر خدا سے ملتا ہے

یہ شعر یا ایہا الذین وابتغوا الیہ وسیلہ کی ترجمانی کرتا ہے۔

جانِ اعجاز قدم کے نیچے
سنگ میں موم ہے چسپاں لکھ دے

یہ شعر تلمیحی ہے اور ساتھ ہی پیکر تراشی کا نمونہ بھی۔اس میں حسنِ صنعتِ تضاد بھی ہے۔

میرا ان سے ہے عجب اک رشتہ۔بعد یہ قرب ہے قرباں لکھ دے

یہ شعر معنی خیز ہونے کے علاوہ معنوی اعتبار سے بھی خوبصورت ہے اور ساتھ ہی اس میں لفظوں کا برملا دروبست ہوا ہے۔اس میں صنعتِ تقابل بھی ہے اور صنعتِ تجنیس زائد کا حسن بھی۔

وصل ہی وصل ہے یہ ان کا فراق
درد کو لطف کا ساماں لکھ دے

یہ شعر رنگِ تغزل کے ساتھ ساتھ حسنِ صنعتِ تقابل سے بھی مزین ہے۔

عشق کی آنکھ کے ہر قطرے کو
بدر اور مہرِ درخشاں لکھ دے

عشق کو مجسم کر کے اس شعر کو حسنِ صنعتِ تجسیم سے مزین کیا گیا ہے۔جان ڈان نے ''ڈیتھ بی ناٹ پراوڈ'' میں موت کو تجسیم کیا تھا۔علامہ قدسی نے اس شعر میں عشق کو تجسیم کر کے اردو اور نعتیہ ادب کو ایک نئی جہت بخشی ہے۔ساتھ ہی ساتھ فلکی اور بصری پیکر تراشی بھی خوب ہے۔عشق کی آنکھ کو بدر اور مہر سے تشبیہ دی گئی ہے۔یہاں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں بصری حسن جلوہ گر ہے۔مقطع بھی خوب ہے۔عشق مجازی کے تعلق سے کسی شاعر نے بھی کہا تھا:

یہ عشق نہیں آساں جس کو تو سمجھتا ہے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

جب عشقِ مجازی کا یہ عالم ہے تو عشقِ حقیقی کا کیا عالم ہوگا۔عشقِ رسول اصل ایمان ہے۔اس لیے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

یہ شہادت گہہِ الفت پہ قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اس نازک نکتے کو علامہ قدسی نے سہلِ ممتنع کے انداز میں کیا خوب کہا ہے:

چھوڑ کے عشقِ نبی کو قدسی
دہر میں کیا نہیں آساں لکھ دے

نعتیہ کلام کے ساتھ ساتھ علامہ قدسی کی غزلیں بھی فصاحت وبلاغت کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔آپ کی غزلیہ شاعری فصیح و بلیغ ہونے کے ساتھ ساتھ محسناتِ لفظیہ ومعنویہ کے مواقع،استعارات وکنایات کا سرچشمہ ہے۔کلامِ فصیح وہ ہے جو ضعفِ تالیف، تنافرِ کلمات،تعقیدِ لفظی،واحد کی تکرار،پے در پے اضافت،ابتذال،اثقال وغیرہ سے پاک ہو۔اور کلام بلیغ وہ ہے جو فصیح بھی ہو اور مقتضائے حال کے بھی مناسب ہو،ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو جامع ہوں اور جو لفظ مصرع کا حق ہو وہی مصرع میں آیے۔الحمدللہ ان سارے صفات کا

حامل کلامِ قدسی نظر آتا ہے۔ان کی ایک غزل کا مطلع ملاحظہ فرمائیں:

جو صبر و شکر کا پیکر دکھائی دیتا ہے
وہ فقر میں بھی تونگر دکھائی دیتا ہے

اگر فقر کی جگہ ہم معنی لفظ غریبی آئے تو شعر پایۂ فصاحت و بلاغت سے گر جائے۔علامہ قدسی نے فقر استعمال کیا جو معنوی اعتبار سے جامع ہے اور لفظی اعتبار سے بھی شعری حسن رکھتا ہے۔کیونکہ پہلے مصرع میں استعمال شدہ الفاظ صبر اور شکر کا ہم وزن ہے فقر۔

بڑا عجیب ہے یہ آئینہ مرے دل کا
اسی کا عکس برابر دکھائی دیتا ہے

آئینہ کی جگہ ہم معنی اور ہم وزن لفظ آرسی بھی استعمال کیا جاسکتا تھا مگر شعری حسن کا فقدان ہوتا۔صاحبِ کلام کی یہی خوبی ہے کہ جس لفظ کو مصرع میں جہاں بٹھادیا وہی اسی طرح رہے تو فصیح و بلیغ ورنہ شعر رتبے سے گر جائے گا۔

نہیں ہے اس کا بصیرت سے ربط وضبط کوئی
ہر آئینہ جسے پتھر دکھائی دیتا ہے

اس شعر میں علامہ قدسی نے بصارت نہیں بلکہ بصیرت کا استعمال کیا کیونکہ بصیرت کا معنی دل کی بینائی، عقل مندی ہے۔یقیناً بصیرت کے لفظ نے شعر کے حسن کو دوبالا کردیا ہے۔اس شعر میں صنعتِ تضاد کا حسن بھی ہے اور صنعتِ تجنیس زائد کا جمال بھی۔

رہا نہ باقی اب ان دھڑکنوں میں جوش وخروش
اداس قلب کا منظر دکھائی دیتا ہے

دھڑکن کی جگہ بے قراری لایا جاسکتا تھا۔لیکن جو چاشنی اور معنویت دھڑکن میں ہے وہ بے قراری میں نہیں۔اس کے علاوہ صنعتِ تجسیم اور صنعتِ محاورہ کا استعمال بھی حسین پیرائے میں کیا گیا ہے۔

تم اس سے پوچھو تڑپ میں ہیں لذتیں کیسی
سراب جس کو سمندر دکھائی دیتا ہے

صنعتِ تجنیس زائد کے ساتھ ساتھ صنعتِ سیاق الاعداد کی بہترین مثال بھی یہ شعر ہے۔صنعتِ سیاق الاعداد سے آراستہ تلمیذِ قدسی سید عینی کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

ان کا کمال ہے کہ ہوا بھی ایک بھی کروڑ
عینؔی اگر چہ خود سے صفر بولتے نہیں

علامہ کا ایک اور شعر ملاحظہ فرمائیں:

یہ دردِ دل کی ہے سازش کا دل خراش اثر
وفا کے سر پہ جو خنجر دکھائی دیتا ہے

اس شعر میں ڈبل صنعتِ تجسیم کا حسن ہے، دردِ دل کو بھی مجسم بنایا گیا ہے اور وفا کو بھی۔اس شعر کے لیے علامہ قدسی کی بارگاہ میں خصوصی داد پیش ہے۔

اس نے ناطقہ نمرود کا کیا تھا بند
تمہیں حقیر جو مچھر دکھائی دیتا ہے

یہ تلمیحی شعر بہت لطف اندوز ہے اور اس میں اصلاحانہ انداز بھی ہے ناطقہ بند کرنا ایک محاورہ ہے جس کے استعمال نے شعر کو مزید حسین بنادیا ہے۔اس ضمن میں سید عینی کا ایک اور شعر یاد آرہا ہے:

ہیں جس کے سامنے بے بس سبھی سپر پاور
یہ چھوٹا کیڑا بڑا پہلوان لگتا ہے

علامہ قدسی کے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں:

بنا ہے امن کے صندل کا وہ بڑا حامی۔ جو ظلم و جور کا اجگر دکھائی دیتا ہے
ذلیل وخوار نہ ہونا پڑے اسے قدسی۔ جو آج کبر کا قیصر دکھائی دیتا ہے

امن کا صندل، ظلم کا اجگر، کبر کا قیصر جیسی خوبصورت تراکیب علامہ قدسی کے قلم کی خصوصیت ہیں۔ان تراکیب میں خوبصورت تشبیہات بھی ہیں اور اشعار میں فصاحت وبلاغت بھی پائی جاتی ہے۔

موصوف کی شاعرانہ بصیرت، فصاحت وبلاغت اور جولانیِ طبع سے متاثر ہو کر راقم الحروف نے اپنا ایک شعر اس طرح کہا ہے:

جو فکرِ قدسی کے اصداف سے ہے وابستہ
وہ بحرِ شعر کا گوہر دکھائی دیتا ہے

اس شعر میں صدف کی جمع اصداف استعمال کیا گیا ہے کیونکہ علامہ قدسی صرف غزل کی صنف نہیں بلکہ نظم، رباعی، ہائیکو، دوہا، آزاد نظم غرض یہ کہ تقریباً تمام اصنافِ سخن میں آپ اپنا منفرد اور اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

علامہ اولادِ رسول قدسیؔ ایک شاعرِ فطرت کا نام ہے۔وہ ایسے فنکار ہیں جن کے فن کی چاندنی سے شعر وادب کے چرخ میں روشنی کا اضافہ ہوا ہے۔غزل میں عموماً معشوقِ غیر حقیقی سے عشق کی باتیں ہوتی ہیں، زلفِ گرہ گیر کا تذکرہ ہوتا ہے۔اردو کے قدیم اساتذہ کے دواوین میں بوس وکنار پر مبنی اشعار کی کمی نہیں ہے۔لیکن علامہ قدسی نے غزل کو نئی جہت دی ہے، غزل کے اشعار کے لیے نئی راہ متعین کی ہے، غزل کو بھی تقدس بخشا ہے۔کیوں نہ ہو آپ تقدیسی شاعری میں بہت اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔نعت کا شاعر جب غزل کہتا ہے تو غزل میں بھی نعت رنگ آجاتا ہے۔اس کے اشعار میں سماجیات کے ساتھ ساتھ ہدایات کے سرچشمے پھوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔مثال کے طور پر غزل کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

ہے دلدل میں سراپا وہ پستیوں کی

سوار اس پہ ہے پھر وہی ہم مسلسل

علامہ قدسی نے اپنے منفرد لب ولہجہ سے غزلیہ شاعری کو نیا رنگ وآہنگ دیا ہے' نئے استعارات' منفرد تشبیہات' خوبصورت لفظیات اور جدید تراکیب نے آپ کے کلام کو شعر وسخن کا شاہکار بنا دیا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار سے اس کی توثیق ہوتی ہے:

کوئی روک پایا نہ دریا کو اب تک
سمندر میں ہوتا ہے یہ ضم مسلسل

☆

ہوئی باغ باغ آرزوئے گلستاں
برستی ہے کلیوں پہ شبنم مسلسل

☆

تڑپتی ہیں ریتوں میں گمنامیاں اب
ہے سیالِ شہرت کا زمزم مسلسل

☆

شب وروز روزِ ازل سے ہے قدسیؔ
تصادم کے پیکر میں باہم مسلسل

☆

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے نیچر کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ یہی شاعرِ فطرت کی صفت ہوتی ہے۔ ہندی کے شاعر تلسی داس نے اپنے دوہوں میں نیچرل شاعری خوب کی ہے۔ جیسے:

تلسی اس سنسار میں بھانت بھانت کے لوگ
سب سے ہنس مل بولئے ندی ناؤ سنجوگ

فطرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے تلسی داس نے نیچرل شاعری بھی کی ہے اور تشبیہات کے ذریعہ اصلاحی پیغام بھی دیا ہے۔

علامہ قدسی اپنی ایک دوہا گزل میں یوں رقمطراز ہیں:

قدسیؔ پھلتا پھولتا روز و شب کا پیڑ
اپنی ہی شاخوں سے خود رہتا ہے بیزار

علامہ قدسی نے اس دوہا غزل میں پیڑوں' شاخوں کا مشاہدہ کیا' تجزیہ کیا اور اس کی تشبیہات کو استعمال کر کے سماجی اور اصلاحی پیغامات دیے۔ اس ضمن میں ان کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

کوئی روک پایا نہ دریا کو اب تک
سمندر میں ہوتا رہا ضم مسلسل

اس خوبصورت شعر میں پیکر تراشی کے ساتھ ساتھ عزم وحوصلہ کا پیغام اور مستقل مزاجی ہے۔ ایک اور شعر میں بھی موصوف نے عزم وحوصلہ کا پیغام بڑے ہی حسین پیرائے میں دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہوئے تازہ دم حوصلے دم بہ دم
اور مری سمت آتے رہے بم مسلسل

اس میں روانی کے ساتھ ساتھ لچک ہی لچک ہے۔ حالاتِ حاضرہ کی سنگینیت بھی علامہ قدسی کے پیشِ نظر ہے۔ میڈیا کے کالے کرتوت پر نشانہ لگاتے ہوئے استعاراتی پیرائے میں کہتے ہیں:

ہوا دل کا اخبار رنگین خوں سے
وہ لکھتا گیا ایسا کالم مسلسل

ان کی غزلوں میں اکثر وبیشتر نعت رنگ کے اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسی غزل میں نعت رنگ کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

ملے گر' میں سینے سے رکھ لوں لگا کر
وہ غم ہے' جو ہر غم کا مرہم مسلسل

مختصر یہ کہ علامہ قدسی نے اپنے کلام میں چاہے نعت ہو کہ غزل سائنسی حقائق اور جغرافیائی معلومات کو تشبیہات واستعاارات کے وسیلے سے بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ موجودہ غزل کے مقطع میں آپ نے بڑی خوبصورتی سے روٹیشن آف ارتھ (گردشِ زمانہ) کو استعاراتی پیرائے میں ایک عمدہ پیغام دیا ہے:

شب وروز روزِ ازل سے ہی قدسیؔ
تصادم کے پیکر ہیں باہم مسلسل

☆☆☆

(عبدالحلیم انصاری اور ''زنگارِ ادب'' کا بقیہ)

کوئی محفل یا گلشن ادب کے خوشنما وادی، اگر قلم کار خاموش چٹانوں کی سکوت کو توڑنے کے ہنر سے واقف نہیں ہوتو پھر وہ احساس کے ہر زخم سے ناواقف ہوا کرتا ہے۔

بے شک اس کتاب سے مصنف کی تخلیقی صلاحیت کے مد وجزر کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ آخر میں بس اتنا ہی کہوں گا کہ روشنیٔ فکر تبسم کی ضیا اور جلوۂ صبح عبدالحلیم انصاری (محمد حلیم) کے ہاں گیسوئے بنگالہ سی بکھر جانے کا نام ہے۔ عمدہ اور مستند ادیب کی صورت میں عبدالحلیم انصاری کی تحقیقی اور تنقیدی کاوش ایک فنی جائزہ ہے جو ادب کے قارئین اور نئی نسل کے مطالعے کے لئے نہایت ہی کارآمد ہے۔

☆☆☆

ضیافاروقی
Mob-9685972242

مجھ کو پہچانئے راہی کسی نسبت کے بغیر

غلام مرتضیٰ راہی کی شاعری سے میرا پہلا باضابطہ تعارف تو ۱۹۷۳ء میں اس وقت ہوا جب میں نے بلٹز کے صفحات پر ان کے دوسرے شعری مجموعہ ''لاریب'' پر ظ انصاری کا تبصرہ پڑھا تھا لیکن اس سے پہلے بھی ان کی غزلیں اکثر و بیشتر اس وقت کے معروف رسائل اور اخبارات میں نظر سے گزرتی رہتی تھیں۔ بعد میں ان کے پہلے مجموعہ ''لامکاں'' تک بھی رسائی ہوئی۔ حالانکہ اس کے بعد وہ تقریباً بارہ پندرہ سال شعری منظر نامہ سے دور رہے لیکن ان کا تذکرہ اور ان کے اشعار دوستوں کی محفلوں میں گردش کرتے رہے۔ پھر نوے کی دہائی میں ان سے نہ صرف یہ کہ شخصی طور پر قربت بڑھی بلکہ ''حرفِ مکرر'' اور ''لاکلام'' جیسے مجموعوں میں ان کا تازہ کلام بھی پڑھنے کو ملا۔ پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ ادھر اکیسویں صدی کی دو دہائیوں میں ''لاشعور'' اور ''لاسخن'' کے بعد اب وہ اپنا تازہ ترین شعری انتخاب ''گلِ سر سبد'' منظرِ عام پر لائے ہیں جو ان کی دوست نوازی کے طفیل اس خاکسار کے سامنے ہے۔

راہی جدید شاعروں کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جس نے ''شب خون'' کے زیر اثر ہونے والی غزل کو نہ صرف وقار بخشا بلکہ موضوعاتی سطح پر اس کو وسعت بھی دی۔ ان کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے خارجی مناظر اور سماجی مسائل کو اپنے مخصوص اندازِ بیان سے ذات و کائنات کا استعارہ بنا دیا ہے۔ ایک خصوصی رچاؤ اور سادگی کے ساتھ ان کے اشعار کی یہ انفرادیت اور یہ اسلوب ان کے تمام مجموعوں میں نمایاں ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کا کہنا ہے کہ ''ہم لوگ انفرادیت کی نشاندہی کرنے کی دھن میں اچھائی کی نشاندہی کرنا بھول جاتے ہیں۔ فاروقی صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ ''اس زمانے میں جب اکثر شعرا روزمرہ کی اخباری باتوں یا کچھ مقبول بلکہ چلنے والے مضامین کو نظم کرکے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے انسانی زندگی کے درد کو بیان کر دیا' غلام مرتضیٰ راہی ایسے تمام چلتے ہوئے مضامین سے گریز کرتے ہیں۔ یہ گریز شعوری بھی ہو سکتا ہے لیکن زیادہ تر یہ ان کے مزاج کا حصہ ہے''۔

فاروقی صاحب کی اس رائے کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان کے اشعار میں اسلوبیاتی سطح پر انفرادیت بھی ہے اور تنوع بھی۔ اس کے ساتھ زبان و بیان میں وہ کشش ہے جو بہر حال قاری کو متاثر کرتی ہے۔

بات بڑھتی گئی آگے میری نادانی سے۔کتنا ارزاں ہوا میں اپنی فراوانی سے

بعض خوشیاں نہیں جینے دیتیں
بعض غم عمر بڑھا دیتے ہیں

☆

پہلے چنگاری اڑ ائی ہوا
لے کے اب راکھ اڑی جاتی ہے

☆

سوار رہتی ہے کوئی نہ کوئی دھن مجھ پر۔ کسا ہوا جو مرا تار تار رہتا ہے

☆

مجھے ملے گا وہ لیکن کہاں بٹھاؤں گا
کہ ٹوٹ پھوٹ چکی اب تو کائنات مری

☆

معرکہ سخت تھا لیکن مجھے سر کرنا تھا
جان پر کھیل گیا جان کے ڈر سے اب کے

☆

شہرت جو سن کے آئے مری دور دور سے
پوچھا کیے مجھے مرے قرب و جوار سے

☆

مجھ کو پہچانئے راہی کسی نسبت کے بغیر
جسم پر میرے مری کھال رہنی چاہیے

یہ اور اس قبیل کے اشعار میں جو ندرت اور الفاظ کا جو در و بست ہے وہ راہی کی شاعری کا نمایاں وصف ہے۔ موصوف کئی سال ہوئے عمر کی آٹھ دہائیاں پار کر چکے ہیں۔ وہ آج عمر کے جس پڑاؤ پر ہیں وہاں تک آتے آتے عام طور پر ہمارے شاعر اور ادیب تھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں خوشی ہے کہ راہی صاحب فکری طور پر فعال بھی ہیں اور اپنے تازہ کلام سے ادبی رسائل کے وقار میں اضافہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ میں صمیمِ قلب سے ان کے تازہ مجموعے ''گل سر سبد'' پر انھیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ ان کا رخشِ فکر اسی طرح میدانِ سخن سر کرتا رہے۔

☆☆☆

نذیر احمد یوسفی، آسنسول
Mob. 843603068

دن رات لب پہ ذکر رسولؐ خدا رہے

فنِ نعت میں رسولِ مقبول صلعم پر عقیدتوں کی جی بھر کر گلپاشی کی جاتی ہے۔اس جذباتی کاوش میں اس بات کا بھی خیال رکھنا نہایت اہم ہے کہ محبت و عقیدے کی بیقرارئی اظہار میں ہم ان کے مقام اعلی اور مرتبہ اولی کو فراموش نہ کریں۔

نعت گوئی کی برکت سے دینوی و دنیاوی فیوض حاصل ہوتے ہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو راضی کرنے کا ایک بہترین اور پسندیدہ وسیلہ بھی بنتا ہے بلکہ یوں کہیں کہ جنت الفردوس میں داخلے کی کنجی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

فنِ نعت میں حضورِ پرنور کے متعلق ہی باتیں ہونی چاہئیں اور احادیث نبوی اور اسوۂ حسنہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے، جذبات کی غلط آمیزش اور شہرت کی خواہش کے زیر اثر لغو اور حد سے باہر نکل کر تعریف و توصیف ایک نہایت ہی ناپسندیدہ عمل ہوگا بلکہ گناہ کا باعث بھی۔

فنِ نعت گوئی ایک آزمائش ہے۔نعت گو کا خاردار جھاڑیوں والی تنگ گزرگاہ سے سلامتی کے ساتھ گزر جانے میں کامیابی ہے۔اس کے لئے مذہبِ اسلام اور حضور صلعم کے متعلق علم کی مکمل جان کاری ضروری ہے۔ایک مشہور قول ہے کہ نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے۔نعت کہنے والوں کو اس بات کو ہمیشہ زیر نگاہ رکھنا چاہیے۔

اسی لئے نعت گوئی کو علمائے فن نے ایک مشکل فن کہا ہے کہ اگر قلم کی ایک غلط جنبش، خیالات کی بے لگام یورشِ جذبات و خیالات کی بے وزنی اور اسوۂ حسنہ کی بے جا تعلیم کو برمحل اور مناسب نہیں رکھا تو یہ تمام عقیدے و محبت سے بھرا نعتیہ کلام باعث گناہ ہو جائے گا۔

نعت گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور بے پناہ پیار کا اظہار درست اور دل پذیر اسی وقت ہو سکتا ہے جب نعتِ رسول کہنے والے کے پاس علمی ذوق و شوق، دل گداز اظہارِ تاثر اور دل کے اندر دینی و علمی ذوق و شوق کا دریا بھی موجزن ہو۔

کسی دانش ور کا کہنا ہے کہ جس طرح پہاڑ پر چڑھنا ایک جان جوکھم اور دشوار عمل ہے اسی طرح بلندی ہی نہیں ڈھلان پر قدم جمانا اور بھی مشکل ہے۔ اسی طرح نعت کہنا اور فن کے تمام رموز و نکات کو بروئے کار لاتے ہوئے تقدس و تحمل کا لحاظ رکھتے ہوئے نعت گوئی کے ڈھلان پر قلمی لغزش سے بچنا بھی نہایت دشوار عمل ہے اور ہوشیاری کا اعلان ہے۔اسی گفتگو کے تناظر میں ذرا اس شعر کو دیکھیں

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا مدینے میں مصطفےؐ ہو کر
بندے سے ہو ثنائے محمدؐ مجال کیا
ترسٹھ برس لباس بشر میں خدا رہا

یہ قیاس آرائی، بے تکی گفتگو اور بے مہار بکواس نہیں تو کیا ہے۔اللہ آسمان سے مدینہ منورہ میں اتر آیا محمدؐ بن کر، بھلا محبتِ رسول کے اظہار میں اتنی غیر معیاری اور بے عقلی کی گفتگو، شاعر کی سوچ پر حیرت ہے۔بھلا اللہ ذوالجلال کو کیا ضرورت کہ وہ اپنے عزیز ترین بندے کا روپ اختیار کرے۔

ابھی اوپر کے مذکورہ نعتیہ شعر کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا کہ دوران مطالعہ چند نثری سطریں بھی اسی طرح کی مل گئیں۔ پروفیسر عبدالواسع دہلی نے اپنے مضمون "مولانا ابوالکلام آزاد: ایک عظیم شاہکار" میں سجاد انصاری نام کے ایک صاحب قلم کے قول کو جگہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔ذرا اس دیوانے کی بڑ کو آپ بھی ملاحظہ کریں۔

''میرا عقیدہ ہے کہ قرآن نازل نہ ہو چکا ہوتا تو مولانا ابوالکلام آزاد کی نثر، اس کے لئے منتخب ہوتی''۔

مطالعے میں یہ بات بھی آئی ہے کہ نعت کہنے والے شعراء جذبات میں آ کر اپنے اشعار میں حضورؐ کو 'تو' 'تم' 'تجھ سے اور 'تیرے' 'یا' میرے' قسم کے غیر معیاری الفاظ سے مخاطب فرماتے ہیں۔ یہ بھی ایک طرح کی گستاخِ رسولؐ ہے۔حضور پرنور صلعم کی عظمت و مرتبہ کا دھیان ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی بے حرمتی سے آپ سے ناراض ہو جائے اور آپ کی عاقبت بگڑ جائے۔اسی سلسلے کی ایک حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کریم محمدؐ کی آواز سے اونچی نہ کرو

اور نہ ہی ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو"(سورہ ال ہجرات نمبر۲:۴۹)

اسی سلسلے سے ایک بات اور ہے کہ کسی نشست میں آپ کے قریب بیٹھے ایک صحابیِ رسولؐ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک بار کہا تھا"جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں"۔

یہ سنتے ہی آپ صلعم کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، آپؐ نے درشتی کے ساتھ فرمایا" کیا تم نے مجھے اللہ کے برابر کر دیا، تم کو اس طرح کہنا چاہیئے، وہ ہوگا جو اللہ چاہے گا" یہاں مظفر ایرج سری نگر کے اس شعر کی وسعت اور کشادگی دیکھیں

معتبر بھی ہے، برتر بھی، افضل بھی
آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم کی ذات بعد خدا

فارسی شاعری کی رباعی کا یہ آخری مصرعہ بھی انہیں خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اب کچھ نعت کے اشعار بھی آپ کے ذوقِ محترم کے لئے پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔فرحت حسین خوشدل، ہزاری باغ کے نامور شاعر ہیں۔خوشدلؔ نے رسول اکرم صلعم کی ولادت باسعادت کا اظہار بڑے خوبصورت انداز میں ایمان و دین کی مکمل روشنی میں کیا ہے۔

آپ آئے تو مہک اٹھا بصیرت کا گلاب
خلق کی خوشبو میں پوشیدہ ہے سیرت کا گلاب
آپ آئے تو جہالت کے اندھیرے مٹ گئے
مل گیا نسلِ آدم کو ہدایت کا گلاب

لگے ہاتھوں ایک اور جواں سال شاعر شاہد پٹھان کے نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں ان کا تعلق جے پور سے ہے۔

کسی کو تخت کسی کو دیا ہے بخت اس نے
سخن سرائی کو بخشے قلم دوات مجھے
ہوا ئے! جاتی رہتی ہو تم تو طیبہ کو
اڑا کے لے چلو اک روز اپنے ساتھ مجھے
خدا کے بعد بزرگ و عظیم تر ہیں وہ
انہیں کی ذات میں ملتی ہیں سب صفات مجھے

اب عالم انجم کے بھی چند نعت کے اشعار سن لیتے ہیں ان کا تعلق سری پور سے ہے یہ کالے ہیروں کا چھوٹا موٹا شہر ہے جو آسنسول سے بہت قریب ہے۔عالم انجم اچھے شاعر ہیں۔غزلوں کا ایک مجموعہ پانچ سال قبل انہوں نے غزل پسندوں کے حلقے میں پیش کیا ہے۔گزشتہ سال نعتوں کا مجموعہ بھی آ گیا ہے۔

اندھیرے مٹ گئے روشن ہوا رستہ ہدایت کا
رسول پاکؐ جب آئے کھلا دروازہ رحمت کا
سیاہی کفر کی چھٹتی نظر آئی زمانے میں
دیا جلنے لگا جب دہر میں ان کی نبوت کا

جھاڑکھنڈ کے ہیرے کے شہر جھریا کے نامور شاعر اور ناقد حضرت وقار قادری کے بھی چند نعتیہ اشعار پیش کر رہا ہوں جن کے جذبہءعقیدت میں اخلاص ومحبت کے ساتھ اعتدال نوازی اور حدود شناسی کی جھلکیاں آپ بھی محسوس کریں گے۔

مہک گلوں میں چمک چاند میں خدا نے دی
یہ کائنات کے جلوے تمام آپؐ کے نام
وقار کن سے سجی کائنات کی محفل
ہے، بحر و بر میں خدا کا نظام آپؐ کے نام

خدا کا شکر ہے کہ پیش کردہ نعتیہ اشعار میں حضور پرنور سے عقیدت و احترام کا ہی ذکر خیر ہے ورنہ بعض جذباتی شعراء حمد و نعت کے درمیان جو باریک حد فاصل ہے، اسے جوشِ محبت میں پار کر جاتے ہیں۔بہترین اور علمی درجے کی نعت کے محاسن میں اوصافِ حضور صلعم کو اولیت حاصل ہے۔ویسے اپنے دل کی آوازوں کا اظہار بھی شاعر کے قلبی سکون کے لئے بھی روا ہے مگر اعتدال کے ساتھ بقول عرفی۔

آہستہ رہ کہ بر تیغ است قدم مرا

چلتے چلتے یہاں نعت کے دو شعر آسنسول کے جواں سال شاعر خورشید ادیب کے بھی ملاحظہ کرلیں۔

روضئہ پاک کا پرنور نظارا کیا ہے
دہر میں عشق نبی کے سوا رکھا کیا ہے
جس جگہ روز فرشتوں کی سواری آئے
مرحبا اس درِ سرکار کا رتبہ کیا ہے

☆☆☆

عبدالحلیم انصاری (محمد حلیم)
Railpar Sitla Danga,Opp-Zam Zam Book Depo
PO+PS,Asansol,Pin-713302,
Dist-Paschim Burdwan (W.B)
Mob-9093949554

قیصرؔ عزیز کی نعتیہ شاعری

قیصرؔ عزیز اردو شعر و ادب میں یکتا مقام رکھتے ہیں انہیں نثر و نظم دونوں اصناف میں غیر معمولی قدرت حاصل ہے۔انہوں نے نعت کے علاوہ غزلیں بھی کہی ہیں، افسانے بھی لکھے ہیں اور ادب اطفال میں بھی انہوں نے اپنے فن کے جوہر دکھائے ہیں۔ان کا افسانوی مجموعہ ۲۰۱۰ء میں ’’ایمن‘‘ کے عنوان سے منظر عام پر جلوہ افروز ہوکر داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔اب تک ان کے دو شعری مجموعے ’’تکمیل آرزو‘‘(۲۰۰۹ء) اور ’’تعمیل آرزو‘‘(۲۰۱۱ء) منصۂ شہود پر آ کر اردو شعر و ادب کے سرمایے میں اضافہ کر چکے ہیں۔انکی غزلوں میں عشقیہ اور رومانی کے ساتھ ساتھ اصلاحی، دینی اور متصوفانہ اشعار بھی ملتے ہیں۔۲۰۱۳ء میں انکے نعتیہ کلام کا مجموعہ ’’تنویر رسالت‘‘ کے عنوان سے منظر عام پر آیا۔سر دست مطالعہ ’’تنویر رسالت‘‘ کے حوالے سے ان کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

ان کا تعلق بنگال سے ہے ان کی پرورش و پرداخت اور ذہنی و ادبی نشو و نما بھی بنگال ہی میں ہوئی۔ ملازمت کے سلسلے میں انہوں نے دہلی شہر کا رخ کیا اور اسے اپنا وطن ثانی بنایا۔فی الحال وہ ابھی دہلی ہی میں پنشن آفیسر کے عہدے پر فائز ہیں اور اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ان کی ولادت ۲۵/مارچ ۱۹۶۳ء کو شہر آہن برنپور سے متصل علاقہ دھرم پور میں ہوئی۔ان کے والد سید ابو نصر اور والدہ بی بی ناصرہ فاطمہ خاتون دونوں ہی صوفیانہ مزاج کے حامل تھے۔گھر کا ماحول مذہبی تھا لہذا اس کا اثر قیصر صاحب کی داخلی و خارجی کیفیات پر پڑنا یقینی بات تھی۔دینی مجالس میں بیٹھنا، دینی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اور نعتِ رسولؐ پڑھنے کا شوق انہیں بچپن ہی سے تھا۔اس بات کی تصدیق قیصرؔ صاحب اپنے نعتیہ کلام کے مجموعے ’’تنویرِ رسالت‘‘ میں یوں کرتے ہیں۔

’’عاشقان رسولؐ نے اپنے دور میں اپنے اپنے انداز میں، اپنی اپنی زبانوں میں نثر و نظم میں نعت پاک کے نذرانے بارگاہ رسالت میں پیش کئے ہیں۔اس ناچیز کو بھی یہ شوق بچپن سے اللہ نے عطا کیا۔والدہ محترمہ بی بی ناصرہ فاطمہ خاتون جن کا سایہ بحمد اللہ آج بھی موجود ہے۔اکثر میلاد میں دین کی باتیں کرتی تھیں۔گھر میں تو ہم لوگوں کی پرورش دینی ماحول میں ہوئی۔نماز پڑھ کر جب وہ دعائیں مانگتیں تو ان کا ہر جملہ نعت، حمد اور مناجات کی صورت ہو جاتا۔‘‘۱

کہتے ہیں بچے کا پہلا مدرسہ اس کی ماں کی گود ہوتا ہے اور قیصر صاحب کا بچپن ایک ایسے مدرسے میں گزرا تھا جہاں ان کی ذہنی نشو و نما عین شریعت کے مطابق ہوئی تھی اور سن بلوغت آتے آتے ان کا دینی شعور کافی بیدار ہو چکا تھا۔ظاہر ہے یہ ان کے والدین کی صحبت اور پرورش کا ثمرہ تھا۔اس دینی ماحول نے ان کے خیالات میں پاکیزگی اور جذبے میں طہارت پیدا کر دی تھی۔ان کے جذبے کی طہارت کا اندازہ ان الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

’’۲۰۱۱ء میں حج آفیسر بن کر حج کے موقعے پر گیا تھا اور میری پوسٹنگ مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔حالانکہ آفس سے گاڑی ملی ہوئی تھی لیکن میں اکثر پیدل ہی جانے کو ترجیح دیتا کہ اس خاکِ پاک پر حضورؐ نے قدم مبارک رکھتے ہوں گے۔‘‘۲

نعت کے لغوی معنی مدح، ثنا، تعریف، و توصیف کے ہیں۔نعت اس نظم کو کہتے ہیں جس میں رسولؐ کے اخلاق حسنہ، نورانی صورت، پاکیزہ سیرت، ان کا جاہ و جلال اور ان کے معاملات و معاشرت کو حسن اسلوبی اور عقیدت و محبت کے ساتھ پیش کیا جائے۔نعتیہ اشعار کے حوالے سے قیصر عزیز کے نظریات ملاحظہ فرمائیں۔

’’ایک اچھا نعتیہ شعر خوابیدہ شعور اور تحت الشعور کو بیدار کر سکتا ہے۔فرطِ عقیدت اور جذبۂ حب رسول سے وجد آفریں کیفیت طاری کر سکتا ہے اور بعض اوقات گہرے مراقبے کی پر سکون گہرائیوں کی تہہ تک کا سفر طے کروا سکتا ہے اور یہی دکھی دنیا کا علاج ہے۔‘‘۳

ہر صنف کی ایک ساخت مقرر ہوتی ہے اور تخلیق کار کو اسی ساخت کے سانچے میں اپنی تخلیقات کو ڈھالنا ہوتا ہے۔لیکن نعت کے لئے ابھی تک کوئی مخصوص ہئیت وضع نہیں ہوئی دوہے، قطعے، رباعیات، خمسے، غزل، متزاد، ترکیب بند، ترجیع بند، مثمن، مسدس مربع، گیت غرض نظم کے تقریباً ہر صنف میں اس موضوع پر اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔لہذا قیصرؔ عزیز نے نعت جیسے نازک موضوع کو غزل کی ہئیت میں بڑے انہاک، محبت اور خلوص کے ساتھ پیش کیا ہے۔

نعت کہتے ہیں حضورؐ کی تعریف و توصیف، اب اس میں ادب و احترام

نہ ہو یا اس میں خضوع وخشوع نہ ہو تو یہ کیسی تعریف ہوگی۔ اسلئے نعت یا حمد کہتے وقت اگر اس میں عبادت جیسی یکسوئی نہ ہو تو وہ عبادت نہیں بناوٹ ہوگی۔ لہذا نعت کہتے وقت ایسے ہی جذبات واستغراق برتنی چاہئے کہ خلوص ومحبت مکمل ہوتا کہ ثواب کے بطور مزدوری بھی اسی طرح ملے۔ خدا کا شکر ہے کہ قیصر عزیز کی نعتیہ شاعری رسولؐ سے عقیدت ومحبت کا آئینہ دار ہے۔ وہ ایک سچے عاشق رسولؐ ہیں انہوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں نبوت کی شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا نعتیہ کلام کا مجموعہ ’’تنویر رسالت‘‘ بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا ہے۔ یہ مجموعہ ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آیا تو نامور عالم دین اور ناقدین ادب نے توصیفی کلمات سے نوازا۔ قیصر عزیز کی نعتیہ شاعری کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جن میں اداب محبت اور رسولؐ سے عقیدت صاف طورعیاں ہے۔

پہلے جذبِ شوق سے اپنا قلم چوما کرو
بعد میں قرطاس پر نامِ نبی لکھا کرو

☆

نہ رہ جائے قیصؔر عقیدت میں خامی
چلا نعتِ شہ میں قلم دھیرے دھیرے

☆

ہوگی رہ حیات میں قیصؔر تمھیں خوشی
دل میں نبی کی عظمت وتعظیم چاہئے

☆

بعد اللہ کے بس ان سا نہیں ہے کوئی
اس قدر برتر واعلیٰ ہیں رسول اکرمؐ

☆

بقول ممتاز حسن ’’نعتیہ شاعری صرف وہ شاعری ہوگی جس کے شعری پیکر میں حضورؐ کا کوئی ایسا جلی یا خفی حوالہ موجود ہو جس کا تاثر ہمیں رسولؐ کی طرف لے جائے گویا نعت کے لئے ضروری نہیں کہ حضورؐ کا نام ظاہری طور پر ضرور ہی لیا جائے۔‘‘۴ اس قول کی روشنی میں ذیل کے یہ اشعار دیکھیں تو یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ قیصر عزیز رسولؐ کی عظمتوں کے مختلف پہلوؤں کو بھی ادبی پیکر، لطافت بیان اور فکر وفن کی مہارت سے پیش کرنے میں یکتا ہیں۔

آمد سرکار لائی ہے، بہاروں کا پیام
راس نظروں کو نہ آئے کیوں نظاروں کا پیام

☆

درحقیقت وہ حبیب کبریا کی ذات ہے
خازاروں کو دیا جس نے بہاروں کا پیام

☆

اللہ نے بینائی عطا کی ہو تو دیکھو
قرآن کے پاروں میں توقیر رسالت

قیصر عزیز کا مشاہدہ اور مطالعہ کافی گہرا ہے۔ ان کے جذبات و احساسات کے شعری اظہار میں دینی رجحان غالب ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے سیرت کا مطالعہ کیا ہے اور اسلامی تاریخ کا بھی اور تاریخی واقعات کو تلمیح کے سانچے میں ڈھال دینے کا ہنر انہیں بخوبی آتا ہے۔ ذیل کے اشعار دیکھیں جس میں انہوں نے تاریخ کے روح پرور واقعات کو کتنی فنکاری سے سمیٹا ہے۔

دین خدا کے سچے مددگار بن گئے
آئے عمر پلٹ کے جولات ومنات سے

مسکراتے تھے ستم سہہ کے بلال حبشیؓ
عشق پختہ تھا محمدؐ سے انھیں، خام نہ تھا

وہ معجزہ بھی ان کی سمجھ میں نہ آسکا
انگلی نبی کی اٹھی، ہوا ماہتاب دو

آکے دربار رسالت میں بفضل کبریا
کوئی سلمان بن گیا کوئی ابوذر ہو گیا

مختصر یہ کہ صنف نعت گوئی ایک آسان فن بھی ہے اور مشکل بھی اور ساتھ ہی اس کے کچھ فنی تقاضے بھی ہیں۔ لہذا اسے فنکارانہ مہارت کے ساتھ برتنے کا ہنر جو نہیں رکھتے ان کے قدم لڑکھڑاتے نظر آتے ہیں۔ لیکن قیصر عزیز کی نعت گوئی کے تجزیہ کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انہوں نے اپنی فنکارانہ صلاحیت سے نعت گوئی کو نہ صرف وسعت بخشی ہے بلکہ سرسبز شاداب چمنستاں بھی بنایا ہے۔ اور اس کی روایت کو روز افزوں جلابخش رہے ہیں اور اس کے خزانے میں مسلسل اضافہ کر رہے ہیں۔ آرزو ہے اور دعا بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرح ہمیں بھی جذبہء عشقِ صادق عطا کرے۔ آمین۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ تنویرِ رسالت از قیصر عزیز، گلیکسی پرنٹرس، دہلی، ۲۰۱۳ء، ص۔ ۳۰
۲۔ ایضاً، ص۔ ۳۱
۳۔ ایضاً، ص۔ ۳۰
۴۔ اردو میں نعت گوئی از ریاض مجید، اقبال اکیڈمی پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص۔ ۹

محمد نسیم اختر نسیم
واسع پور، دھنباد (جھارکھنڈ)
Mobile-7070630499

عبدالحلیم انصاری اور ''زنگار ادب'' میری دانست میں

پروفیسر نورالحسن ہاشمی صاحب کا کہنا ہے کہ ''وادیٔ تحقیق پُر خار بھی ہوتی ہے اور پُر پیچ بھی اس میں قدم رکھنے کے لئے صرف شوق ہی نہیں جنون بھی درکار ہے اور ساتھ ہی ساتھ درویشی بھی۔'' اس کلیہ کی روشنی میں عبدالحلیم انصاری کی فکری وفنی جہات کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا کہ دولت فکر نے جب انہیں (محمد حلیم) افسانہ نگاری اور نثر نگاری کا قلم بخشا تو وہ ایک محقق اور تنقید نگار کی عظمتِ فن سے بھی متاثر ہوئے اور تحقیق وتنقید کی پر پیچ اور پر خار وادی سے گزر کر ''زنگار ادب'' کو ہمارے سامنے پیش کیا۔

عبدالحلیم ایک شریف النفس، خلیق اور ملنسار انسان ہیں۔ والدین، دوست، احباب، رشتہ دار اور اساتذہ نے جو رہنمائی دعاؤں کے ساتھ عطا کی ہے ان تمام کرم فرماؤں کا آپ شکر گزار تہہ دل سے ہیں۔ یہ ادا آج کی اس متعصّبانہ دور میں ادب کے یزیدی لشکروں سے نکلنے کے مترادف ہے۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے موصوف کو شاعری اور نثر نگاری خصوصاً مضمون نگاری، افسانہ نگاری، تبصرہ و تجزیہ نگاری کا ذوق رہا ہے۔ اور یہی ذوق انہیں ایک بہتی ہوئی ندی کی طرح وقت کے قافلے کے ساتھ کنارے سے جا ملاتا ہے۔ لہذا، اپنی بات میں وہ لکھتے ہیں:

''میں ادب کا ایک ادنیٰ طالب ہوں مجھے افسانہ نگاری اور نثر نگاری کا شوق ہے اور یہی شوق مجھے قیس بنا کر صحرائے ادب میں صحرا نوردی کے لئے لے آیا۔''

شعر وادب کے رنگ و بو قلم کار کو جو نظارے دکھاتے ہیں وہی صفحۂ قرطاس پر جگنو کی طرح جگمگا اٹھتے ہیں۔ لہذا، جب شعور کی آنکھیں کھلیں تو غنودگی کی آغوش سے نکل کر ایک نوجواں افسانہ نگار و نثر نگار بلند وپست کے عرفان سے واقف ہوا اور ''زنگار ادب'' لئے ۲۰۱۸ء میں منظر عام پر نمودار ہوا۔ بقول پروفیسر محمد منصور عالم ''عبدالحلیم انصاری کا قلم ایسے ہی میدان ادب میں دوڑتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب اردو ادب کو ایک مستند ادیب دستیاب ہو سکے گا۔''

میری نظر میں موصوف نے کتاب کے مشمولات کا دامن تھامے کبھی شاعری کبھی تنقید اور کبھی محقق کے خوش آہنگ نغمے سے اپنی نکتہ دانی کی روح میں چاندنی گھولنے کی جو کوشش کی ہے بلا شبہ اس میں وہ کامیاب ہیں۔ اہل نظر نے جسے سراہا بھی ہے۔ بنگال کے مشاہیر افسانہ نگار، شاعر اور مضمون نگاروں کا ذکر ایسا ہی ہے جیسے میل کے پتھر کے بغیر کسی انجانے موڑ پر کوئی راہی ٹکرایا ہو۔ یہ دیکھ کر مسرت ہوئی ہے کہ عبدالحلیم انصاری اجالوں کے سرور سے محظوظ ہوئے تو لمحوں کی کرن نے یہ آواز دی کہ:

ع روشنی گل نہ کرو کہ رات ابھی باقی ہے

''زنگار ادب'' میں جہاں موصوف نے اپنے قلم سے سہیلؔ واسطی، رونق نعیم، منوّر رانا اور اشہرؔ ہاشمی، جیسے شاعروں کے شعری اجالوں کو اپنی کتاب میں سمیٹا ہے وہیں بنگال کے مشہور ومعروف افسانہ نگار انیس رفیع، ڈاکٹر عابد ضمیر، اظہار الاسلام، شمس ندیم اور محمود یٰسین کے افسانوں کا تجزیہ اس انداز میں کیا ہے کہ تمام افسانوں کے رموز و اسرار بالکل واضح صورت میں عیاں ہیں۔ علاوہ ازیں ''آسنسول کا عصری اردو ادب'' میں موصوف نے شہر آسنسول کی جھلملاتی ادبی فضا کو سرور اور وقار بخشا ہے جبکہ تانیثیت کے حوالے سے ان کا مضمون قوس وقزاح کے حسین رنگوں سے آہنگ ہوکر ''زنگار ادب'' کو نقرئی کرنوں کے گہوارے میں ڈبو دیتا ہے۔ اس طرح بنگال کی سرزمیں کے بولتے لمحوں کا ذکر کر کے عبدالحلیم انصاری نے ادبی فضا کے دوش پر خوشبوئے بنگالہ کو اپنے قلم سے اس بے حسی کے دور میں اپنی ہنر مندی کو مدھم چاندنی کی طرح شعرو ادب کے آنگن میں اتارنے کی جو کوشش کی ہے واقعی قابل تحسین ہے۔

''زنگارِ ادب'' کے مشمولات اس بات کی دلیل بھی ہیں کہ عبدالحلیم انصاری ایک ذمہ دار، غیر جانبدار اور بالغ نظر نقاد و محقق ہیں۔ تنقید کے بنیادی اصول اعتدال، توازن، بے تعصبی اور غیر جانبداری موصوف کی تحریروں کا خاصّہ ہیں اور ساتھ ہی ان کی تنقید میں عہد تغیر کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔ ان کی غیر جانبدار تنقید وتحقیق کے حوالے سے تسلیم نیازیؔ نے بالکل بجا فرمایا ہے:

اس شہر کی تاریخ ہے زنگار ادب
خاموشی میں ایک چیخ ہے زنگار ادب
جانبداری سے کام ہرگز نہ لیا
اس رسم کی تنسیخ ہے زنگار ادب

(روزنامہ ''اخبار مشرق''، ۱۹؍جنوری، ۲۰۲۰ء)

دراصل غیر جانبدار اور بالغ نظر نقاد ومحقق میری نظر میں کوئی صحرا ہو

(بقیہ صفحہ 18 پر)

صابر علی سیوانی۔حیدرآباد

''امعان'' کے تناظر میں ڈاکٹر قطب سرشار کی فکر وآگہی

خداوندِ قدوس کسی کو دولت وثروت سے نوازتا ہے تو کسی کو شہرت وعظمت سے مالا مال کردیتا ہے کسی کو علم وفن کی لازوال سلطنت عطا کرتا ہے جس کا زوال اس شخصیت کے زوال کے بعد بھی ناممکن تصور کیا جاتا ہے۔ یہ وہ سرمایہ حیات ہوتا ہے جس کی اہمیت' عظمت' وقعت' رفعت اور حریت میں روز بہ روز اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کی روشنی سے ہر وہ شخص منور ہوجاتا ہے جو اس کے قریب ہوتا ہے یا جو اس سے استفادہ کرتا ہے۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ علم وہ دولت ہے جسے خرچ کرنے سے خسارہ نہیں ہوتا ہے جبکہ دولت وثروت کو تقسیم کرنے سے اس میں کمی واقع ہوتی رہتی ہے جسے ربِ ذوالجلال علم وفن کی لافانی دولت عطا کرتا ہے' وہ خوش نصیب انسان ہوتا ہے ایسے ہی خوش بخت انسانوں میں سے ایک ڈاکٹر قطب سرشار ہیں جو مختلف علوم وفنون اور زبان وادب سے آراستہ وپیراستہ شخصیت کے حامل ہیں۔

جناب قطب سرشار کا شمار ادب کی ان ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے زبان وادب کی بے لوث خدمت کی اور خدمات کا یہ سلسلہ جاری ہے لیکن نام ونمود اور شہرت وناموس کی لالچ سے بے پرواہ ہوکر بے لوث ادب عالیہ کو ثروت مند بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ قطب سرشار تو اردو کے حوالے سے جانے جاتے ہیں لیکن تلگو زبان پر انہیں دسترس حاصل ہے۔ وہ بیک وقت اردو سے تلگو اور تلگو سے اردو زبان میں ترجمہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے تلگو زبان سے اردو زبان میں تین چار کتابوں کے ترجمے کیے ہیں دلچسپ بات یہ کہ انہوں نے تلگو شعری مجموعوں کے اردو میں منظوم ترجمے کیے ہیں۔ ان مجموعوں کے نام انحراف (سری لتا) بہتا ہوا نغمہ (ڈاکٹر سی نارا ین ریڈی اور ''آسمان کا لمس'' (وی۔ آر ودیارتھی) ہیں۔ علاوہ بریں ان کی دیگر کتابیں انفس وآفاق اور اقِ تازہ اور اظہار (شاعری) کے عنوان سے منظر عام پر آچکی ہیں۔ 2011 میں شائع ہوئی ان کی تنقیدی کتاب ''امعان'' ہے۔ کتاب کے آغاز میں پروفیسر خالد سعید کا پیش لفظ اور مصنف کا اظہار چند نکات کے عنوان سے تمہیدی کلمات شامل ہیں۔

زیر نظر کتاب ''امعان'' قطب سرشار کی وہ تصنیف ہے جو تنقیدی مضامین' تبصروں اور شخصیات کی تفصیلات کو پیش کرتی ہے۔ کتاب خوانی کے بعد جو پہلا تاثر ذہن کے پردے میں ابھراوہ یہ کہ قطب سرشار اس شخصیت کا نام ہے جس پر ادب کو سنبھالنے' پروان چڑھانے اور فروغ دینے کے انتظام کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور وہ اس ذمہ داری کو بخوبی نبھارہے ہیں۔ مختصر لفظوں میں ہم انہیں اردو کا قطب کہہ سکتے ہیں۔ قطب کا کام کسی علاقہ یا کسی بستی کی ذمہ داری نبھانے کی ہوتی ہے اور قطب سرشار اپنی بستی' قصبہ' علاقہ اور اپنے خطہ میں اردو زبان وادب کو پروان چڑھانے' اسے فروغ دینے اور اس کی شیرینی سے استفادہ کرنے کا موقع خواص وعوام کے درمیان فراہم کررہے ہیں۔

ڈاکٹر سرشار کی کتاب ''امعان'' جس کا مفہوم گہری نظر' غور وفکر' تیز فہمی وغیرہ ہوتا ہے اس کتاب میں نہایت غور وفکر اور گہری نظر کے ثبوت بھی ملتے ہیں۔ چار ابواب میں مشتمل اس کتاب میں غالب' اقبال کے علاوہ پروفیسر خالد سعید' مجروح سلطان پوری' پروفیسر بیگ احساس کی تخلیقات کے حوالے سے نہایت مفید معلوماتی اور پر مغز مضامین شامل ہیں۔ خصوصاً مرزا غالب اور اقبال کی شعری اور فنی خوبیوں کا بھر پور جائزہ لیا گیا ہے۔ کتاب کے باب اوّل استبصار میں غالب کی شاعری کے علاوہ غالب کی نثری خصوصیات کا ان کے خطوط کی روشنی میں سیر حاصل ذکر ملتا ہے۔ غالب کے اشعار میں لفظوں کے معنوی ابعاد کے تحت قطب سرشار نے مرزا غالب کے مختلف اشعار کے حوالے سے ان میں موجود معنوی ابعاد کو اجاگر کیا ہے۔ تشبیہات واستعاروں کی مدد سے غالب نے جو اشعار میں معنویت اور تہہ داری پیدا کی ہے اس کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر غالب کے ایک شعر:

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی۔ میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

کے ضمن میں صاحب کتاب کچھ اس انداز سے اپنا وضاحتی نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔

''اس شعر میں جن الفاظ کے وسیلہ سے مضمون آفرینی ہوئی ہے وہ ہے کفن' داغ عیوب' برہنگی' لباس اور ننگِ وجود۔ یہاں تعمیر خیال کے میکانزم میں خشت الفاظ کی دروبست شعری صنعت کا بھرپور تقاضہ ہوتی ہے۔ لفظ جب علامت یا استعارہ بن جاتے ہیں تو گونا گوں ابعاد کا منبع بن جاتے ہیں۔ غالب نے حیات وکائنات' نظریات' فکر ودانش اور معاشرتی رویوں جیسے اہم ترین موضوعات کو وسیلہ

اظہار بنایا ہے۔الفاظ کے جامع انتخاب کے وسیلہ سے غالب خیال کی تعمیر اس درجہ چابک دستی سے کرتے ہیں کہ مضمون شعر کا مکمل عکس اپنے گونا گوں رنگوں، تیوروں اور خدوخال لیے ذہن کے پردہ پر منعکس ہوجاتا ہے۔(صفحہ:13)

''غالب کے اشعار میں لفظوں کے معنوی ابعاد'عنوان کے ضمن میں مرزا غالب کے پندرہ اشعار کو منتخب کرکے ان کی تشریح کی گئی ہے۔ان اشعار کے سیاق وسباق سے بحث کی گئی ہے اور ان اشعار میں پوشیدہ معنوی تہہ داریوں اور نزاکتوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ان اشعار میں مستعمل لفظوں کے حوالے سے بات کی گئی ہے اور خصوصاً اشعار میں استعمال کیے گئے کلیدی الفاظ کی معنوی جہتوں کی تلاش کی گئی ہے۔قطب سرشار نے غالب کے ہاں پائے جانے والے لفظوں کے مکمل ادراک واحترام واہتمام کی حتی المقدور نشاندہی کی ہے۔انہوں نے ایسے کئی پہلوں سے غالب شناسی کی کوشش کی ہے جس سے بہت سے ادیب ناواقف ہیں۔اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قطب صاحب کو شعروسخن شناسی کا زبردست ادراک حاصل ہے۔

کتاب کے دوسرے مضمون ''نثر غالب کی مضمرات خطوط غالب کے حوالے سے''

میں صاحب کتاب نے غالب کی اس انوکھی اور اچھوتی نثر کے تعلق سے گفتگو کی ہے جن کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے تاہم انہوں نے اپنے انداز سے نثر غالب کو ان کے خطوط کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔یہ کون نہیں جانتا کہ غالب نے اپنے خطوط کے توسط سے ایک ایسی نثر کی بنیاد ڈالی جو اس سے قبل نہ دیکھی گئی اور نہ سنی گئی۔القاب وآداب سے مکمل احتراز کرتے ہوئے سیدھے گفتگو کرنے کا ایک سہل انداز وآسان زبان اپنا کر ہنرمندانِ ادب کو چونکانے کا کام کیا۔یہاں مضمون نگار نے القاب وآداب کے بارے میں غالب نے جو طریقہ اپنایا اس کے متعلق ان کے خطوط کے حوالے سے دلچسپ گفتگو کی ہے۔مثال کے طور پر غالب کی خطوط نویسی کے ایک خاص پہلو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''غالب کے خطوط کے تنوع کا ایک اور قابل ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک سنجیدہ خشک اور رسمی مراسلہ کو مکالمہ بنادیا۔مکتوب نگاری کے ضمن میں غالب کا مکالماتی انداز روایتی اور رسمی اظہار کے بوجھل پن سے پاک دلچسپ اور پر لطف نظر آتا ہے۔غالب کو اپنی مکاتبی نثر کی تمام ترجدتوں اور محاسن کا احساس اور ادراک بھی تھا چنانچہ اس کا اظہار انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں اس طرح کیا ہے''بھائی مجھ میں اور تم میں نامہ نگاری کاہے کو ہے، مکالمہ ہے(بنام مرزا گوپال تفتہ) میں یہ باتیں کررہا ہوں خط نہیں لکھتا مگر افسوس کہ اس میں گفتگو میں وہ لطف نہیں جو مکالمہ زبانی میں ہوتا ہے یعنی میں ہی بک رہا ہوں تم کچھ کہتے (منشی نبی بخش حقیر کے نام)۔اس خط کے

اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب نے بھلے ہی مراسلہ کو مکالمہ بنادیا ہے لیکن اس امر کا اعتراف بھی ہے کہ مکالماتی تحریر مکالمہ زبانی کا نعم البدل نہیں ہوسکتی (امعان صفحہ:24)

خطوط غالب سے ماخوذ متعدد اقتباسات کے ذریعہ قطب صاحب نے آسان نثر اور خوبصورت اظہار کے اس رویہ کی نشاندہی کی ہے جو خطوط غالب کا امتیاز وانفراد رہا ہے۔نوصفحات پر مشتمل خطوط غالب کے مضمرات کو نہایت ہنرمندی اور فنکاری سے پیش کیا ہے اور غالب کی نثری خوبیوں پر روشنی ڈالی ہے۔امعان کا سب سے اہم اور طویل ترین مضمون اقبال شناسی کے متعلق ہے۔یہ مضمون' فیضان اقبال(اقبال کے اشعار کا تجزیاتی مطالعہ) کے عنوان سے شامل کتاب ہے۔ فیضان اقبال کے تحت فکر اقبال' دعا سن تو لے'علم کا حاصل' قلندر اور تونگری'اسرار کتاب'روح اور خاک تیز'شعلہ نوا'اقبال کا شعری اظہار'عشق استغنا'پہنچ کے چشمہ حیواں پر'نوائے شوق کے باعث' ذوق خراش' اکتساب علم'اقبال سرمایہ دارانہ استعمار کے مقابل جیسے ذیلی عنوانات قائم کرتے ہوئے ڈاکٹر قطب سرشار نے اقبال کے متعدد اشعار کی تفصیل سے توضیح وتشریح کی ہے۔یہ ذیلی عنوانات اقبال کے اشعار سے ہی لیے گئے ہیں بلکہ یہ ایک طرح سے وہ کلیدی الفاظ ہے جن پر اقبال نے اپنی پوری شاعری کی بنیاد رکھی ہے۔فکر اقبال کا بنیادی ماخذ عنوان کے ضمن میں مضمون نگار نے ان بنیادی باتوں کی نشاندہی کی ہے جو اقبال کے سرچشمہ فکر ونظر کا باعث ہے۔یہ ہر شخص جانتا ہے کہ علامہ اقبال کا فکری سرچشمہ قرآن وحدیث اور سیرت رسول کریم ﷺ ہے۔اس سرچشمہ فکر وخیال کے تحت اقبال نے اپنے پیغامی شاعری میں قوم مسلم کو بیدار کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔غرض یہاں صاحب کتاب نے اقبال کے کلام کے ان رموز ونکات کی جانب اشارہ کیا ہے جس سے اقبال کی شاعری دوآتشہ بنتی ہے۔اقبال کا سب سے اہم فلسفہ خودی ہے۔وہ خودی کے توسط سے تزکیہ نفس اور تقویت انا کا کام لینے کا مشورہ دیتے ہیں یہاں پر ایک شعر جس میں اقبال نے بندۂ آزاد کی ترکیب استعمال کی ہے کے تحت اپنا توضیحی نکتہ نظر پیش کیا ہے۔اقبال کا ایک شعر ہے:

اثر کرے نہ کرے سن تو لے میری فریاد نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

اس شعر کے پس منظر میں سرشار صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ایک چھوٹا سا اقتباس یہاں پیش ہے۔خودی اور بندۂ آزاد کے تعلق سے وہ اس مضمون میں کچھ یوں توضیح پیش کرتے ہیں:

''اقبال نے قرآن مجید سے جو آگہی حاصل ہے اس کو وہ خودی سے تعبیر کرتے ہیں۔اقبال کی خودی کو ہم تربیت ضمیر' تصفیہ نفس' تزکیہ نفس یا پھر تقویت انا جیسی ادبی وصوفیانہ اصطلاحوں کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔

اقبال کے لفظ بندۂ آزاد کے وسیلہ سے ایک ایسے کردار کا تعارف ہوتا ہے جو حرص وہوس، غم وغصہ، خواہشات ومفادات، خوف ورجا سے بے نیاز اور آزاد ہے۔ اس منفرد نوعیت کے کردار یعنی بندۂ آزاد میں اپنے نفس کو پوری طرح قانون فطرت سے ہم آہنگ کر رکھا ہے۔ یہ بندۂ آزاد نفس کی تمام آلائشوں سے پاک ہو کر **وما علینا الا البلاغ** کا حق ادا کر رہا ہے گویا ایک ذہن رسا ہے جو آگہی کا قطار لئے اذہان عالم کو صلائے عام دے رہا ہے تاہم وہ اپنے لہجہ کو ملتجیانہ بناتے ہوئے دل گداز لہجہ میں کہتا ہے ''سن تو لے میری فریاد'' (امعان صفحہ 34:)

مضمون فیضان اقبال پینتیس صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ ظاہر ہے اس مضمون میں نقل کئے گئے تمام اشعار کے حوالے سے اس مختصر سے تبصرے میں تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی ہے۔ ہاں ایک اور اصطلاح نوائے شوق کے ضمن میں اقبال نے جو کچھ پیغام دیا ہے اس حوالے سے سرشار صاحب نے اس مضمون میں جو ادراکی بصارت دکھائی ہے اس کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اقبال کی ایک نظم کا ایک بہت معروف شعر جس میں انہوں نے نوائے شوق کی خوبصورت اصطلاح استعمال کی ہے اس کے بارے میں صاحب کتاب نے جو اپنا مطمع نظر پیش کیا ہے اس کی جانب اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اقبال کا ایک شعر ہے:

میری نوائے شوق سے شورِ حریم ذات میں۔ غلغلہ ہائے الاماں بتکدۂ صفات میں

اس شعر کی وضاحت کرتے ہوئے قطب سرشار نے اپنی استادانہ مہارت کا ثبوت پیش کیا ہے چنانچہ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں ''نوائے شوق پیام اقبال کی ایک مانوس علامت ہے۔ لفظ شور' باطنی القاب کا حرف نمائندہ ہے۔ حریم ذات' عالم شعور کی گہرائیوں سے عبارت ہے اور بُت کدۂ صفات ایک ایسے کردار سے متعارف کراتا ہے جن کی تشکیل مشرکانہ عقیدوں کے سبب ہوئی ہے۔ شعر کا معنوی خاکہ یہ ہے کہ نوائے شوق نے حریم ذات میں جو انقلاب برپا کر دیا ہے کہ صفات مشرکانہ کے بت کدہ میں الامان والحفیظ کا ایک غلغلہ مچ گیا۔ نوائے شوق (قرآن مجید کے حکیمانہ ادراک) نے حیطۂ ذات کی خوابیدہ یا الجھی ہوئی ترجیحات کی بے سمتی کو ایک روشن راستے (صراط مستقیم) سے روشناس کروادیا ہے جن کے نتیجہ میں عالم شعور میں تازہ ہوا کا جھونکا سا چل گیا ہے۔ تضادات وصفات کا تضاد یک لخت ختم ہو گیا۔ تضاد ذات وصفات کی شکست کے ساتھ ہی یک لخت تمام آلودگیاں دُھل گئیں (ایضاً صفحہ 52) غرض علامہ اقبال کی مختلف فکری جہتوں کو نہایت تفصیل سے ان کے اشعار کی روشنی میں پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اپنی علمی جلالت اور فکری بصیرت کا بہترین ثبوت پیش کیا ہے۔

ایک مضمون ''مولانا آزاد کی ادبی نثر کے تخلیقی وفکری ابعاد'' کے عنوان سے یہاں موجود ہے۔ اس مضمون میں مولانا کی نثر کی خوبیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اقبال کے مقابلے میں یہ مضمون مختصر ضرور ہے لیکن جامع ہے۔ مولانا نے زندگی کے جن فلسفیانہ نکات کو اپنے خطوط میں پیش کیا ہے' اس کی نشاندہی ان کے خطوط کے اقتباسات پیش کر کے کی گئی ہے۔ مولانا کے خط لکھنے کا جو منفرد اسلوب تھا اس کے متعلق یہاں بحث کی گئی ہے اور ان کے شُستہ نثر کی صفات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس پس منظر کی بھی بات کی گئی ہے جس کے تحت اردو ادب میں ایک رجحان فروغ پایا۔ اسی پس منظر میں مولانا آزاد کی نثر پروان چڑھی۔ انہوں نے ایک ایسا شگفتہ اسلوب اپنایا جس میں بلا کی کشش اور غضب کی تازگی موجود ہے۔ ان کی اسی نثر کے بارے میں حسرت موہانی نے کہا تھا کہ:

جب سے دیکھی ہے ابوالکلام کی نثر۔ نظم حسرتؔ میں وہ مزہ نہ رہا

مولانا آزاد کی نثری خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے قطب سرشار نے غبار خاطر میں دلی کی زبان کے رچاؤ کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''غبار خاطر کی زبان میں دلی کی زبان کا رچاؤ ہے' مگر اتنا بھی نہیں کہ مولانا کے انفرادی لب ولہجے اور فکری ابعاد کو متاثر کر سکے۔ ہر مکتوب ایک مستقل موضوع کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور غیر افسانوی اظہار بیان فکر وفلسفے اور تحقیقی حسن کا اثر آفریں امتزاج ہے۔ غبار خاطر کو صوری اعتبار سے گونا گوں عنوانات پر مختصر مختصر مقالہ جات کہا جاسکتا ہے مکتوبات میں مضمون آرائی یا مولانا کی علمی فطرت کے سبب سے بیچ بیچ میں عربی اور فارسی اشعار کا چسپاں کرنا آج کے قاری کے لیے الجھن پیدا کرتا ہے'' (ایضاً صفحہ 74)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ''غبار خاطر'' کو جب مالک رام نے مرتب کیا تو انہیں سب سے زیادہ مشکل پیش آئی کہ مولانا نے ''غبار خاطر'' میں جتنے اشعار اردو یا فارسی کے نقل کیے ہیں ان کے تخلیق کاروں یعنی شاعروں کا ذکر نہیں کیا ہے تو مالک رام کو استخراج اشعار کے سلسلے میں کافی محنت کرنی پڑی۔ انہوں نے ان شعراء کا نام بھی استخراج اشعار کے ضمن میں لکھا ہے جس کے لیے انہیں کافی تلاش وجستجو اور محنت کرنی پڑی۔ دوسری بات ''غبار خاطر'' کے ضمن میں یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ مولانا نے جن اشعار کو اپنے خطوط میں نقل کیا ہے ایسا لگتا ہے کہ ان اشعار کو انہوں نے پہلے منتخب کیا اور اسی کی روشنی میں خطوط کا ڈھانچہ تیار کیا۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ اشعار برجستہ یا برمحل طور پر ان کے ذہن میں اس وقت آتے گئے اور وہ ان اشعار کو اپنے خطوط میں چسپاں کرتے گئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ''غبار خاطر'' پڑھنے میں ایسے قاری کو دقت پیش آتی ہے جو فارسی اور عربی زبان سے بالکل نابلند ہیں لیکن ایسے افراد کے لیے مالک رام نے استخراج اشعار کے ذریعے مشکلیں آسان کردی ہیں۔ ''غبار خاطر'' کے آخر میں ان تمام اشعار کی توضیح تشریح اور ان کے تخلیق کاروں

کے نام لکھے ہیں۔

''حافظ شیرازی اور جذب عالم پوری''عنوان سے جو مضمون کتاب میں شامل ہے اس میں حافظ کے اشعار اور جذب عالم پوری کے ذریعے کئے گئے ان اشعار کے منظوم ترجمے کو نقل کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں ان فنکاروں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق حیدرآباد سے ہے اور جنہوں نے فارسی، انگریزی، فرانسیسی اور تلگو زبان میں تحریر کئے گئے۔منظوم شہ پاروں کا اردو میں کامیاب اور خوبصورت ترجمے کئے۔ ان میں راگھوینددر راؤ، جذب عالم پوری، شید احمد، جمیل شیدائی، مضطر مجاز، ڈاکٹر یوسف کمال، قطب سرشار اور مظہر مہدی وغیرہ شامل ہیں۔ ان فنکاروں نے جن شہ پاروں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کا بھی ذکر یہاں موجود ہے۔ جذب عالم پوری چونکہ فارسی زبان وادب سے اچھی طرح واقف تھے۔اس لیے انہوں نے حافظ کے اشعار کا منظوم ترجم بڑی خوبصورتی سے کیا۔ لیکن یہاں کتاب میں جو فارسی کے اشعار نقل کئے گئے ہیں ان میں بیشتر اشعار ایسے ہیں جو درست متن کے ساتھ نقل نہیں ہوسکے ہیں۔ کمپوزنگ کی غلطی کے ساتھ ساتھ تصحیح کے کام پر بھی خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں اس پر توجہ دی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

صفحہ نمبر 82 پر ''ادراک واظہار'' سرخی قائم کرتے ہوئے صاحب کتاب نے کچھ ایسے اقوال نقل کئے ہیں جو زندگی کی حقیقتوں کا بڑی خوبصورتی سے ادراک کرپاتے ہیں۔ یہاں ذیلی عنوانات کے تحت نہایت مفید اور کارآمد اقوال موجود ہیں مثال کے طور پر چند اقوال زندگی کی سچائیوں سے روبرو کرواتے ہیں۔اسے ملاحظہ کرتے چلیں:

''کسی کو رہبر بنانے سے پہلے جانچ لو کہ وہ چراغ بکف ہے۔ یا ظلمتوں کا دلال۔

''بیمار آدمی صحت مند کے برابر نہیں ہوسکتا۔اس سے بھی بڑا ہوسکتا ہے اگر وہ اپنی بیماری سے عبرت حاصل کرلے''

''زندگی سرمایہ ہے۔اسے بے سمت اندھیروں میں اُنڈ یلتے ہوئے ضائع نہ کریں۔

''کمزوریاں کس میں نہیں ہوتیں؟ خوبیاں تلاش کرو مزے میں رہوگے''(صفحہ 88)

''باب انتقاد'' کے ضمن میں پروفیسر خالد سعید کی تنقیدی بصیرت 'مجروح سلطان پوری: غزل کا مسیحا شور جہاں' ادبی گفتگو' نغمہ ہائے نورانی عنوانات پر مشتمل مضامین ملتے ہیں۔ممتاز ناقد اور شاعر پروفیسر خالد سعید کی تنقیدی بصیرت پر روشنی ڈالتے ہوئے قطب سرشار لکھتے ہیں:

''خالد سعید کی بالغ نگاہیں فکشن کا احاطہ کرنے میں جس قدر نکتہ رس ہے' اتنی ہی شاعری کی رمز شناس بھی۔ انہوں نے غالب کے اوجِ نظر اور ادراکات کے عمق تک رسائی حاصل کی ہے اور افکار اقبال کی تعبیرات بھی نہایت عمدگی سے کی ہے کلاسیکی شاعری کے رموز کی جویائی کے ساتھ ساتھ انہیں جدید اردو شاعری کا بھی خاصہ درک ہے۔ان کی تنقیدی بصیرت کا خاصہ یہ ہے کہ جب یہ کسی صنف ادب پر گفتگو کرتے ہیں تو اپنی تعبیرات کو چیستاں بننے نہیں دیتے۔ ان کی تحریر کا اسلوب نہایت نرم' منطقی اور متوازن ہوتا ہے۔''(صفحہ 99)

پروفیسر خالد سعید کے بارے میں قطب سرشار نے نہایت متوازن رائے قائم کی ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے خالد صاحب کی تنقیدی کتابوں ''تعبیرات اور پس تحریر'' کے حوالے سے بھی نہایت تنقیدی انداز میں گفتگو کی ہے۔ یہ مضمون خالد سعید کی تمام فنی خوبیوں کو اجاگر کرتا ہے۔

''مجروح سلطان پوری غزل کا مسیحا عنوان کے ضمن میں مجروح کی شاعری پر دلچسپ گفتگو کی گئی ہے۔ان کے مشہور اشعار کے حوالے سے ان کی شعری صفات اور کمالات پر بھرپور روشنی الی گئی ہے۔ شور جہاں پروفیسر بیگ احساس کی تنقیدی کتاب ہے۔اس کتاب کے حوالے سے بھی ایک اہم مضمون تحریر کیا گیا ہے۔اس میں بیگ احساس کی ناقدرانہ بصیرت پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ وہ اس کتاب کے سلسلے میں اور گوپی چند کی تلاش احساس کے بارے میں جو کچھ لکھتے ہیں اس پر نظر ڈالیے:''پروفیسر گوپی چند نارنگ کی اردو دنیا ممنون ہے کہ انہوں نے بیگ احساس کے پیکر میں تنقیدی نگاری کی دریافت کی ہے'' شور جہاں کے مطالعہ کے بعد اردو ادب کا طالب علم یہ ضرور چاہے گا کہ بیگ احساس کی تنقیدی بصیرت سے اردو تنقید نگاری کے سرمائے میں یوں ہی اضافہ ہوتا رہے''(صفحہ:116)

''شورِ جہاں'' میں سب سے اہم مضمون قرۃ العین حیدر کی کتاب ''آگ کا دریا'' پر بڑی جامعیت اور تنقیدی بصیرت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ مضمون ایک ایسا علمی تنقیدی اور تحقیقی ذہن کی اُپج ہے جسے دنیا بیگ احساس کے نام سے جانتی ہے۔اس کتاب پر قطب سرشار نے بڑی حاکمانہ اور ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے بلکہ پوری کتاب پر روشنی ڈالی ہے۔

اسلم عمادی کی کتاب ''ادبی گفتگو'' پر ایک تنقیدی تبصرہ امعان کے صفحہ نمبر 123 پر موجود ہے۔ پانچ صفحات پر مشتمل مضمون میں ادبی گفتگو پر نہایت جامع ادبی گفتگو کی گئی ہے۔جدید شاعری اور حیدرآباد کے نمائندہ شعراء کے بارے میں جو کچھ ادبی گفتگو میں جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں سرشار نے نہایت متوازن رائے قائم کی ہے۔ جن حیدرآبادی ادیبوں اور شاعروں کے بارے میں ''ادبی گفتگو'' میں تفصیلات پیش کی گئی ہیں ان میں خورشید احمد جامیؔ' سلیمان اریب' غیاث متین وغیرہ شامل ہیں۔اسلم عمادی کے

ایک مضمون ''حیدرآباد میں اردو نئی شاعری 1971-1960) کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ اس مضمون میں اسلم عمادی نے مخدوم محی الدین، خورشید احمد جامی، سلیمان اریب، عزیز قیسی، شاذ تمکنت، وقار خلیل، راشد آذر، مغنی تبسم، انور معظم، کنول پرشاد کنول، حکیم یوسف خان، اختر حسن اور اقبال متین جیسے بزرگ شعراء کے ساتھ ساتھ نئی نسل کے اہم شعراء رؤف خلش، غیاث متین، حسن فرخ، مسعود عابد، مصحف اقبال توصیفی، شفیق فاطمہ شعریٰ، علی الدین نوید، رحمٰن جامی، سلیمان اطہر جاوید، نقی علی خان، ثاقب، قطب سرشار، ڈاکٹر غیاث صدیقی، رؤف خیر، علی ظہیر اور بازل عباسی کو بھی جگہ دی گئی ہے۔

''نغمہ ہائے نورانی (شعری مجموعہ) حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن قاسمی ندوی کی تخلیق ہے۔ ان کتاب پر بھرپور تبصرہ نہیں لکھا گیا ہے۔ اس میں مضمون نگار نے مولانا کا تعلیمی پس منظر بیان کرتے ہوئے کتاب کی ادبی قدر و قیمت کا احاطہ کیا ہے۔ تبصرہ تفصیل کا متقاضی تھا یہاں اجمال سے کام لیا گیا ہے۔ مولانا کی شاعری پر کم ان کی دوسری خدمات پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ مضمون کے آخر میں مولانا کے چند جدید اشعار اور نظموں سے ماخوذ چند ابیات نقل کئے گئے ہیں۔ آخر میں سرشار لکھتے ہیں:

''مجموعی اعتبار سے مولانا کمال الرحمٰن قاسمی کا یہ شعری مجموعہ'' نغمہ ہائے نورانی شاعر کی مضامین میں علوم حق اور افکار صالح کا خوش آئیند تعارف نامہ ہے۔ امید ہے کہ دنیائے ادب آپ کا خیر مقدم کرے گی۔ (صفحہ: 127)

''باب استحضار'' میں پروین شاکر، ممتاز راشد، ڈاکٹر خلیق انجم کے مصاحبے کے ساتھ ساتھ'' ہندوستانی ادب میں نئے رجحانات'' عنوان پر مشتمل ایک رپورتاژ بھی ہے۔ حالانکہ یہ رپورتاژ'' باب استحضار'' سے پہلے آنا چاہئے تھا۔ پروین شاکر کا انتقال 1994ء میں ہی ہو گیا تھا۔ اور ان سے قطب سرشار کی کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ان سے انٹرویو لینا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ ہاں قطب سرشار کی یہ ذہنی اپچ ہی ہے کہ انہوں نے پروین شاکر کی شاعری اور نثری شہ پاروں سے جوابات اخذ کرتے ہوئے اس سے مربوط سوالات قائم کئے ہیں۔ یہ بھی ایک جدت پسندی ہے جو قطب صاحب کی فکری و اختراعی کوشش ہے۔ اس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مثال کے طور پر سرشار کے ذریعے قائم کیے گئے ایک سوال اور اس سوال کا پروین شاکر کی نثر سے ماخوذ جواب ملاحظہ کیجئے۔

قطب سرشار: جہاں آپ کی شاعری کے بے شمار مداح ہیں وہاں بعض لوگوں کو یہ بھی کہتے سنا کہ پروین شاکر کی شاعری بیڈروم کی شاعری ہے؟

پروین شاکر (ہاں) کچھ کم گوش یہ کہتے ہیں کہ اس لڑکی کی شاعری میں سوائے بارش ہنسی پھولوں کی مسکراہٹ، چڑیوں کے گیت اور اس کی اپنی سرگوشیوں کے کچھ نہیں۔ اگر زندگی سے محبت کرنا جرم ہے تو یہ لڑکی پورے غرور کے ساتھ اپنے جرم کا اعتراف کرتی ہے۔

قطب سرشار: آپ کے نزدیک آزادی نسواں کا تصور کیا ہے؟

پروین شاکر: میں اس کی دسترس میں ہوں مگر وہ مجھے میری رضا سے مانگتا ہے'' (صفحہ 132)

ممتاز راشد اور خلیق انجم سے لیے گئے انٹرویو میں ان کی ادبی زندگی، خاندانی پس منظر اور شعری، تنقیدی و تحقیقی سفر کے آغاز اور تصانیف کے بارے میں سوالات و جوابات نقل کئے گئے ہیں۔ خلیق انجم نے نوائے وقت (پاکستان سے شائع ہونے والا اخبار) نے سوال کیا تھا کہ اگر آپ کو دوبارہ زندگی مل جائے تو آپ کیا کریں گے؟ تو اس کا جواب خلیق انجم نے یہ دیا تھا کہ خطوطِ غالب کی تحقیق و ترتیب کا دوبارہ کام کریں گے۔ سوالات کے ضمن میں خطوط غالب کے حوالے سے پوچھے گئے جواب میں جو کچھ انجم نے کہا تھا 'اسے بھی یہاں نقل کیا گیا ہے۔'' ہندوستانی ادب نئے رجحانات'' عنوان پر مشتمل بنگلور میں منعقدہ (6 اور 7 مارچ 2009) کل ہند سمینار کی رپورتاژ اس رپورتاژ میں اس کل ہند سمینار کی تفصیلات شامل ہیں۔ باب انتخاب کے ضمن میں جمیل شیدائی، میر فاروق علی، امتیاز علی تاج کی شخصیت اور ادبی خدمات پر مضامین شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں مصنف کا شخصی تعارف نامہ ہے اور کتاب کے آخری صفحہ 165 پر اظہار تشکر کے ذیل میں ان اصحاب کا شکریہ ادا کیا گیا ہے جنہوں نے مصنف کے ادبی سفر میں دست تعاون دراز کیا۔ مجموعی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ 166 صفحات پر مشتمل کتاب'' امعان'' معلومات کا ایک گنجینہ ہے جو اہل علم و ادب کے ساتھ طلبہ و طالبات کے لیے نہایت سودمند ہے۔ ☆☆☆

امجد سلیم امجدؔ
H.No:2-9-110,Mukarrampura
Karimnagar-505001(A.P)

ایک غزل

فنونِ علم کا گوہر بنا دیا ہے مجھے
خدا کا شکر کہ بہتر صلہ دیا ہے مجھے

میں اک پھول کی صورت چمن کی زینت تھا
یہ ساکنانِ چمن نے بھلا دیا ہے مجھے

ستم کا، ظلم کا کرنے مقابلہ ڈٹ کر
خدا نے قلب میں اک حوصلہ دیا ہے مجھے

میں مثلِ شمع تھا ظلمت میں روشنی کے لیے
ہوائے تند نے آ کر بجھا دیا ہے مجھے

میں تشنہ کام ہی لوٹا ہوں تیری محفل سے
یہ کیا کہ بزم سے ناحق اٹھا دیا ہے مجھے

ضرور آیے گی اک صبحِ انبساط امجدؔ
نقیبِ وقت نے مژدہ سنا دیا ہے مجھے

غـــــزلیـــــات

عبدالمجید فیضی

12/106,Nayapara
Sambalpur-768001(Odisha)

نظر میں اس کی وفا میری معتبر ہی نہیں
وفا شعاری ہے کیا شے جسے خبر ہی نہیں
وہ رشتہ درد کا رکھے کسی سے بھی کیوں کر
ہے جس کے سینے میں پتھر دل و جگر ہی نہیں
ہوا نہ ہوگا کوئی پیدا مثلِ شاہِ امم
حضور پاک سا کونین میں بشر ہی نہیں
ازل سے تا بہ ابد طولِ داستانِ وفا
مدام جاری ہے قصہ یہ مختصر ہی نہیں
غرض کیا اہلِ جنوں کو بہار ہو کہ خزاں
تغیراتِ زماں سے کوئی مفر ہی نہیں
یہ کس مقام پہ لایا ہے رہنما فیضی
ہو سنگِ میل کہاں، جبکہ رہگزر ہی نہیں

اظہر نیر

Vill+P.O:Barhulia
Via:KansiSimra.Darbhanga

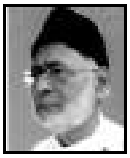

کھڑکیوں سے مجھے جھانکتا کون تھا
جب نہ تم تھے کھڑے دوسرا کون تھا
یہ پتہ بھی کسی کو کہاں چل سکا
درمیاں سب کے اچھا برا کون تھا
آج بھی جستجو میں ہے میری نظر
پیچھے چلمن کے بیٹھے ہوئے کون تھا
فیصلہ اس کا خود اپنے دل سے کرو
باوفا تم تھے تو بے وفا کون تھا
سب ہیں حیران یہ ماجرا دیکھ کر
پیڑ پر شب میں لٹکا ہوا کون تھا
اس اندھیرے میں نیّر بتائے کوئی
مجھ کو آخر صدا دے رہا کون تھا

علیم صبا نویدی

192,triplicaneRoad
2ndFloor,FlatNo-16
RiceMandiStreet,Chennai

زندگانی ہے بھلی آنکھوں تلک
بندگی ہے ظاہری سجدوں تلک
میرے اندر آسمانی شہر ہے
آپ کب آئے مری سوچوں تلک
روح کا پھیلاؤ ساتوں آسماں
جسم کی حد ہے فقط قبروں تلک
دے کے وہ تنہائیاں بھی جا چکا
کون آیا ہجر کے زخموں تلک
دن سے رشتہ توڑ کے پچھتائے ہم
خواب دلہن گرچہ تھے نیندوں تلک

حافظ کرناٹکی

PostBoxNo-06,Shikaripur
Shimoga-577427(Karnataka)

مجھے بے شک سزا دو
خطا کیا ہے بتا دو
میں آنسو بن گیا ہوں
تم آنکھوں سے گرا دو
چمن زارِ جہاں میں
وفا کے گل کھلا دو
جو ٹوٹے اور نہ بکھرے
مجھے وہ حوصلہ دو
بہار آئے نہ آئے
ذرا تم مسکرا دو
اثر ہو کر رہے گا
اگر دل سے دعا دو
مریضِ عشق ہوں میں
محبت کی دوا دو

مہدی پرتاپ گڑھی

28-SchoolWard.Partapgarh(U.P)

اربابِ اقتدار کا تیور بدل گیا
اپنی نظر یہ بدلو کہ منظر بدل گیا
کچھ کم نگاہ کہتے ہیں لو آ گئی بہار
لیکن کہاں گلوں کا مقدر بدل گیا
یہ تو بجھا ہوا ہے بہت تیز زہر میں
دستِ ستم بدلتے ہی خنجر بدل گیا
اب کھل کے سامنے سے کیا جا رہا ہے وار
مہلک ہے ضرب دستِ ستمگر بدل گیا
دستار کی مناؤں کہ سر کی مناؤں خیر
جب اپنے جاں نثاروں کا تیور بدل گیا
جیسے دیارِ غیر میں مہدی میں آیا ہوں
یہ راتوں رات کیسے مرا گھر بدل گیا

علیم الدین علیم

P-69,MudialiRoad
P.O:gardenReach.Kolkata-24

اہلِ حق جب ہیں تو اک ساتھ ہی ہونا ہوگا
ورنہ تنہا انھیں ہر گام پہ رونا ہوگا
جاننا ہے تمھیں اسرارِ الٰہی تو سنو
دامنِ قلب کو اشکوں سے بھگونا ہوگا
زندگی، عارضی دنیا میں رہے گی کب تک
قبر کی گود میں اک دن تمھیں سونا ہوگا
کچھ بھی ہو تر نہ کروں گا میں کبھی آنکھوں کو
"ہو رہے گا میری قسمت میں جو ہونا ہوگا"
جن کو اللہ نے بخشی ہے وفا کی طاقت
بوجھ ملت کا انھیں شان سے ڈھونا ہوگا
آبرو دیں کی بچانے کے لیے آج علیم
کچھ نہ کچھ تو ہمیں ہر حال میں کھونا ہوگا

شارق عدیل

At/P.O:Marhera.Dt:Etah(U.P)
Mob-9368747886

رہے باقی کسی صورت نہ نفرت زندگانی میں
"چلو پھیلائیں پیغامِ محبت زندگانی میں"
اگر کردار کی عظمت تجھے محفوظ رکھنی ہے
ہر اک پہلو سے روشن کر صداقت زندگانی میں
حسد کی آگ سے رہتی ہے جن کے خون میں گردش
انھیں حاصل نہیں ہوتی مسرت زندگانی میں
گناہوں کی حدوں کو پار جب کر جاتا ہے انساں
سُنامی بن کے آتی ہے قیامت زندگانی میں
تمہاری خوبیوں کو بھی بدل دیں گے یہ ذلت سے
فریب و مکر کی ڈالو نہ عادت زندگانی میں
غریبوں میں ذرا تقسیم کر کے دیکھئے شارقؔ
جو پانا ہے تمھیں لطفِ محبت زندگانی میں

ڈاکٹر مسعود جعفری

موبائل۔8367391303

کہاں گئے ہیں وہ پھانسی سے جھولنے والے
ستم گروں کے ستم کو نہ بھولنے والے
کہاں سے ڈھونڈ کے لائیں بتاؤ ایسے لوگ
خوشی سے زہر کا پیالہ قبولنے والے
ہر ایک شخص کی یادوں میں کھوئے رہتے تھے
محبتوں کو کبھی بھی نہ بھولنے والے
سرک رہی ہے ابھی رات صبح کی جانب
ادھر اُدھر ہیں دیے اب بھی اونگھنے والے

جمیل فاطمی

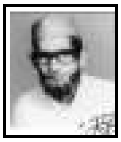

At/P.O:Lakhmaniya
Dist:Begudarai-851211
Bihar

ہر چند کہ اے زندگی میں نے تجھے جی ہے
تا عمر مئے تلخیٔ ایام بھی پی ہے
آئی نہ مرے کام کوئی کوشش و تدبیر
قسمت بھی مرے ساتھ عجب چال چلی ہے
وہ ہیں کہ محبت کو سمجھتے ہیں تماشا
میں ہوں کہ پریشاں ہوں مری جاں پہ بنی ہے
چاہوں جو بھلانا تو اسے بھول نہ پاؤں
اک موہنی صورت جو نگاہوں میں بسی ہے
پیچھا جو کروگے تو یہ ترسائے گی تم کو
ٹھکراؤگے تو لپٹے گی دنیائے دنی ہے
کہنی تھی غزل مصرعِ مخدوم پہ کہہ دی
جیسی بھی ہے میری ہے بُری ہے یا بھلی ہے

بدر محمدی

ChandpurFateh.P.O:Bariarpur
Dist: Vaishali(Bihar)

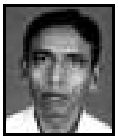

حیات افزا غموں سے بہل رہا ہوں میں
کہ صورتِ دلِ عاشق مچل رہا ہوں میں
بساطِ خواب پہ شاید پھسل رہا ہوں میں
سو آنکھیں کھول کے اپنی سنبھل رہا ہوں میں
نگاہِ یار کی آغوش میں پڑا ہوں مگر
کسی یتیم کی مانند پل رہا ہوں میں
میں ایک داغ سہی چاند سے مری نسبت
کہاں حصار سے اس کے نکل رہا ہوں میں
ندی میں ڈوب رہا ہے بچھڑ کے سایہ مرا
کنارِ آب اکیلا ٹہل رہا ہوں میں
دکھائی دیتی نہیں اپنے رنگ میں دنیا
بدل رہی ہے نظر یا بدل رہا ہوں میں

عمران راقم

Editor,SOORAT Monthly,Kolkata
Mob-9163916117

آئینے کا یہ فیصلہ کیا ہے
کوئی اچھا ہے یا برا کیا ہے
آج رہتا نہیں ٹھکانے پر
دل مرا جانے چاہتا کیا ہے
اے غریبی رہے سلامت تو
اس عمارت کا آسرا کیا ہے
جھوٹ کہنے کی جن کو عادت ہے
روبرو ان کے آئینہ کیا ہے
وحشتِ دل ترے تصدق ہم
یہ تو کہہ دے کہ مدعا کیا ہے
راستے اور بھی ہیں راحت کے
ان کی جانب ہی دیکھنا کیا ہے
ہم اسی رہگزر کے پتھر ہیں
بارہا ہم کو ٹوکتا کیا ہے
اک مقدس گناہ کی ضد میں
اتنا ہنگامہ سا بپا کیا ہے

عبدالحئی پیام انصاری

PiprauliBazar.
Dist:Gorakhpur-273212(U.P)
Mob-9453814135

میرے ارمان بھی تھے بڑے
امتحاں بھی مرے تھے کڑے
یہ بھی تقدیر کی بات ہے
سر منڈاتے ہی اولے پڑے
جانے والے چلے بھی گئے
رہ گئے ہم کھڑے کے کھڑے
یہ تو تشویش کی بات ہے
کیوں بہاروں میں پتے جھڑے
بھوک سے لوگ مرتے رہے
جنس گودام میں تھے سڑے
ظلم کے خاتمے کے لیے
لیجئے فیصلے کچھ کڑے

ظفر اقبال ظفر

170-Kheldar.fatehpur(U.P)
Mob-7379512431

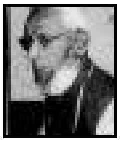

پسِ صحرا کوئی صحرا نہیں تھا
نشاں پھر بھی کوئی ملتا نہیں تھا
جو دل پر آج گزرا ہے ہمارے
کبھی یہ سانحہ گزرا نہیں تھا
شکستہ کیوں مکاں میرا ہوا ہے
مرا آندھی سے جب رشتہ نہیں تھا
ہوا ہے واہمہ پھر اور پیدا
وہم دل سے مرے نکلا نہیں تھا
اچھالے جا رہے تھے سر بریدہ
مری بستی میں سنّاٹا نہیں تھا
دعائیں سایہ بن کر چل رہی تھیں
درختوں کا کہیں سایہ نہیں تھا
ظفؔر دل ہے کہ مائل ہے اسی پر
نظر بھر کر جسے دیکھا نہیں تھا

قاضی سید محی الدین عاجز تاندوری

Bhusawal

شب و روز ہوتے ستم دیکھتے ہیں
سدا کوئی بارود و بم دیکھتے ہیں
تو ہے پارسا جگ کی نظروں میں تیرے
لہو سے اٹے ہاتھ ہم دیکھتے ہیں
سند یافتہ ہیں وفائیں ہماری
مگر تیرا جھوٹا بھرم دیکھتے ہیں
ہماری حمیت کو شاباش کہہ دے
سزا پاتے مظلوم ہم دیکھتے ہیں
ہمیں نے تو سینچا ہے عاجزؔ چمن کو
مریضِ نظر ہیں جو کم دیکھتے ہیں

سید نورالحسن نور

Khanqah-E-Nwabia
fatehpur(U.P)

یہ کون سرِ بزمِ جنوں آیا ہوا ہے
ایوانِ خرد خوف سے تھرّایا ہوا ہے
آئینہ ملاتا نہیں اب مجھ سے نگاہیں
کیا بات ہے کس بات پہ شرمایا ہوا ہے
پھولوں کی زباں پر ہے بہت تذکرہ جس کا
وہ رنگ گلستاں میں مرا لایا ہوا ہے
ہر موڑ پہ ہیں بکھرے ہوئے خوف کے سائے
ماحول مرے شہر کا گرمایا ہوا ہے
صحرا کے لبِ خشک ابھی تک نہ ہوئے تر
مدت سے مگر ابرِ کرم چھایا ہوا ہے
اک پھول سے اے نورؔ ہے روشن مری دنیا
اک پھول نے احساس کو مہکایا ہوا ہے

عطیہ نور

N.T.P.C Overtila.Bibapur(U.P)
Mob-6306714804

نہ زمیں پہ پاؤں میرے نہ فلک پہ آشیانہ
میں خلا میں جی رہی ہوں ذرا سن لے یہ زمانہ
یہ زمانے بھر کی دولت مجھے مل گئی تو کیا ہے
میرے لب سخنوروں سے، میرا قلب صوفیانہ
یہ روایتیں ہیں اپنی کہ خموش ہوگئی ہوں
میرے دل کا شوخ بچہ ابھی چاہے مسکرانا
کہ یہ تنہا تنہا خود سے یونہی باتیں کرتے رہنا
یہی ہے مزاج میرا، ہے عجب سا یہ فسانہ
ہوں ندی سی شوخ لیکن میرا ظرف ساگروں سا
ہوئیں آزمائشیں بھی تبھی میں نے خود کو جانا
یہ ہرا بھرا شجر ہے، یہ پرندوں کا جو گھر ہے
کسی بے زباں کا عطیہ نہ اجاڑیے ٹھکانا

ڈاکٹر وارث انصاری

PattiShah.Fatehpur-212652
Mob-9935005032

آ گئی اس مقام پر دنیا
لٹ گئی تیرے نام پر دنیا
جھک کے مجھ کو سلام کرتی ہے
بس مرے احترام پر دنیا
رشک کرتی ہے روز و شب دیکھو
تیرے ادنیٰ غلام پر دنیا
ہر طرف انقلاب لے آئی
صرف میرے پیام پر دنیا
راہِ حق میں قدم بڑھائے جو
چل پڑی اس کے گام پر دنیا
کتنی رنگینیاں بکھیرے ہے
آپ کے اہتمام پر دنیا
کل نوازے گی داد سے وارث
مجھ کو میرے کلام پر دنیا

شیو شرن بندھو ہتھگامی

Hathgam.Fatehpur-212652

اس کے الفاظ سے تہذیب کی خوشبو آئے
چاہتا ہوں مرے محبوب کو اردو آئے
مار ڈالیں نہ کہیں مجھ کو اندھیرے یارو
روشنی لے کے میرے گاؤں میں جگنو آئے
ایسا لگتا ہے مجھے بھول نہیں پایا وہ
اس نے جب یاد کیا آنکھ میں آنسو آئے
میں ترے گاؤں کے میلے میں ہمیشہ آیا
اور یہی سوچ کے آیا کہ کبھی تو آئے
وہ مجھے یاد کرے اور میں حاضر ہو جاؤں
کاش اس شخص کو بنگال کا جادو آئے
ہم جو شاعر ہیں خیالوں میں مہک رکھتے ہیں
چھو لیں ہم خار کو تو خار سے خوشبو آئے
چاہتا تھا کہ مجھے کوئی سنبھالے بندھو
اور پھر میری مدد کو مرے بازو آئے

ابرار نغمی
Raisen(M.P)Mob-9424433844

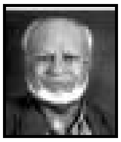

باعثِ رونقِ بام و در ہوگئے
ان کے جلوے نمودِ سحر ہوگئے
جب کبھی وہ مرے ہم سفر ہوگئے
راستے خود بخود مختصر ہوگئے
سائے میں زلف کے جو بسر ہوگئے
چند لمحے وہ دیوانہ گر ہوگئے
بے خودی میں پڑے پر مرے نقشِ پا
دوسروں کے لیے راہ بر ہوگئے
لے کے دنیا میں پیغامِ وحدت چلے
کتنی راہوں میں خود منتشر ہوگئے
شکوہ نغمی تباہی کا کیا کیجئے
زخم ہی دل کے جب بے اثر ہوگئے

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی
نیپال

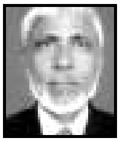

دنیا کو دل کا درد دکھاؤں میں کس طرح
پانی پہ کوئی نقش بناؤں میں کس طرح
یہ سوچتا ہے آج بھی دنیا کا سائنسداں
کورونا وائرس کو بھگائے وہ کس طرح
ہے ذہن و دل پہ خوف کا سناٹا دوستو
کوئی غزل حسین سناؤں میں کس طرح
اک وائرس کے قہر سے خائف ہے آدمی
جھوٹی تسلی سب کو دلاؤں میں کس طرح
تو نے تو مجھ سے کرلیا قطع تعلقات
یادوں کو تیری دل سے بھلاؤں میں کس طرح
زخموں سے چور دل ہے وصیؔ خوف ذہن پر
خوشیوں کے گیت بزم میں گاؤں میں کس طرح

ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمیؔ
HomeoShifaKhana
RahmatColony.Doranda
Ranchi-834002

جو لکھنا ہے تجھ کو تو اے یار لکھ
محبت کا قصہ سرِ دار لکھ
خطاؤں پہ رکھتا ہے میری نظر تو
میری نیکیاں بھی ارے یار لکھ
جو دیتا ہے پیغامِ نفرت یہاں
اسے دورِ حاضر کا اوتار لکھ
میری صاف گوئی گراں گر لگے
پراگندہ ذہنوں کا اخبار لکھ
محبت اگر واقعی جرم ہے
مجھے اس خطا کا سزاوار لکھ
برائی پہ کرتا ہوں میں وار بھی
قلم کو مرے ایک تلوار لکھ
بہت خستہ ہونے لگی زندگی
مجھے گرنے والی تو دیوار لکھ
دکھائیں زمانے کو جو آئینہ
غزل میں اے بزمیؔ وہ اشعار لکھ

یونس عاصمؔ
DewanBazar,Cuttack
Mob-9090156995

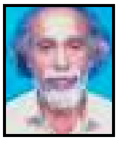

کسی بھی حال میں تم یہ خطا نہیں کرنا
کبھی اصول کا سودا کیا نہیں کرنا
جہاں خلوص کی ہوتی نہیں ہے قدر کوئی
وہاں کسی سے امید وفا نہیں کرنا
مری نہ مانے تو خود ہی نتیجہ دیکھو گے
کہ شہرِ سنگ میں شیشہ بنا نہیں کرنا
گزارو زندگی اپنی سدا قناعت سے
کبھی زمانے سے کوئی گلہ نہیں کرنا
ملے ملے نہ ملے داد تیرے شعروں پر
مگر تو دل میں امید صلہ نہیں کرنا
جو بات تم کو گراں تر لگے تو پھر عاصمؔ
وہ بات تم بھی کسی سے کہا نہیں کرنا

شمس الحق شمسؔ (اڈوکیٹ)
Deopur.P.O:Biribati.
Dt:Cuttack-754100

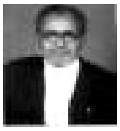

توڑ کر مسجد یہاں مندر بنایا جا رہا ہے
ہر پرانی یاد کو یکسر مٹایا جا رہا ہے
وہ ہمارے حکمراں جو تھے وطن کے پاسباں بھی
کی تھیں جو قربانیاں ان کو بھلایا جا رہا ہے
ہند کی تاریخ سے ان کو مٹانے کے لیے یوں
ایک جھوٹا باب دیکھو پھر سے لکھا جا رہا ہے
ہم محبت سے یہاں مل جل کے رہتے آئے ہیں جب
کیوں فضا میں دشمنی کا زہر گھولا جا رہا ہے
اہلِ باطل کی پذیرائی سبھی کرنے لگے ہیں
حق پرستوں کے لیے مقتل سجایا جا رہا ہے
شمسؔ کیوں ملنے لگا ہے جھوٹے لوگوں کو وقار اب
ہند کی تہذیب کو جڑ سے مٹایا جا رہا ہے

حمید عکسی
H.No:14-6-39,Nizampura
MandiBazar.Warangal-506002

خطاؤں پر خطا بے فکر ہو کر کرتے جاتے ہیں
عذابِ قبر جب بھی یاد آئے سہمے جاتے ہیں
بکھیڑوں سے زمانے کی نہیں کچھ کام ہے ان کو
جو نیکوکار ہیں وہ نیکیاں ہی کرتے جاتے ہیں
کبھی حق پر کسی باطل کا غلبہ ہو نہیں سکتا
ہمیشہ حق کے آگے اہلِ باطل سہمے جاتے ہیں
نظارہ دیکھ کر حیوانیت کا آج ہر جانب
مری آنکھوں سے اشک خوں ہمیشہ بہتے جاتے ہیں
نئی سج دھج سے عکسی آ گیا موسم بہاروں کا
چمن کے سارے غنچے رفتہ رفتہ کھلتے جاتے ہیں

افسانہ

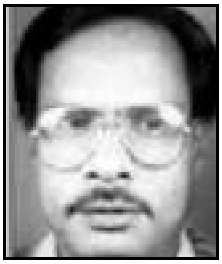

حنیف سیّد
12\34 ,Sui Katra - Agra -282003 ,U.P.
hanifsyed77@yahoo.com

ہیں کہاں بجو کے...! سب....؟

"کچھ دیکھا تو نے.....؟" بجو کے نے کہا اور باڑ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔

پونم کی سہانی ڈھلتی رات تھی، چیت کے چاند کی چٹکی چاندنی کی بات تھی۔ چاندنی کو شبنم کے قطروں نے مل مل کر نہلایا، دھلایا اور تیل پھلیل لگایا، پہلے۔ پھر چاند نے اپنی چہیتی چاندنی کے لیے چاندی کے تھال میں ہیرے جواہرات سے جڑاؤ گہنے بھیجے، کہکشاں کی ڈولی میں۔ اور بادِ نسیم نے گہنوں، گلوں اور خوش بوؤں سے چاندنی کے سولہ سنگار کر کے دُلھن بنا دیا۔ پھر جگنوؤں نے شمعیں روشن کیں، جھینگروں نے گیت گائے، درختوں کے پتّوں نے ڈھول بجائے، اور جب چاندنی مستی میں لہرا کر سرک گئی، چاند کی آغوش میں، چپکے سے؛ تو بجوکا نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے چرواہوں کے اشارے پر باڑ سے آگے کہا: "ایسے میں تیری سہیلیاں؛ یعنی کہ پکی فصلیں تک اپنے ہاتھ پیلے کرانے کی للک میں ہمک رہی ہیں، بے تابی سے۔ ذرا دیکھ تو لے ظالم...!

"اَبے جا.....! یہ تو آئے دن دیکھتی ہوں مَیں۔" باڑ نے جھلّا کر جواب دیا۔

"پھر بھی ترس نہیں آتا، مجھ پر.....؟" بجوکا؛ دبی آواز میں ممیایا۔

"ترس ورس نہیں آتا، مجھے کسی پر۔ سوائے اپنے مالک کے۔ سیکڑوں بار سمجھا چکی ہوں، تجھ بے وقوف کو۔ پھر بھی سمجھ میں نہیں آتا کیا....؟" باڑ غرّائی۔

"ہمارے پُرکھے بھی اِسی طرح ترس کھاتے چلے آئے ہیں ازل سے، مالکوں پر۔ خود غرض مالکوں نے بھی کبھی سوچا، ہمارے لیے...؟ وہ اپنی فصلوں کی رکھوالی کے لیے ہر سال پیدا کرتے ہیں، ہم کو۔ اور فصلوں کے ساتھ ہی کاٹ کر چھوڑ جاتے ہیں، بے گور وکفن۔ پھر پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے کبھی، کم بخت۔ دو چار دنوں میں پھر یہی ہونے والا ہے، پگلی.....! یہ تو سوچ....! کہ ہم اسی لیے پیدا کیے جاتے ہیں کیا.....؟ کہ اُن کی بہبودی کے لیے جھیلیں، یہ سب....؟ اپنے لیے کچھ نہ سوچیں...؟ کچھ نہ کریں.....؟ ہمارا بھی دل ہے، ہمارے بھی ارمان وجذبات ہیں کچھ، خواہشات ہیں کچھ۔ ہمارا دل نہیں چاہتا کیا...؟ ہمارے بھی بچّے ہوں، گاڑی ہو، بنگلا ہو، اور ہم بھی اُڑیں، جہازوں میں۔ سیر کریں، آسمانوں میں، دنیا کی۔ یا جنگل کے اِن بدمزاج موسموں کو جھیلتے رہیں رات دن؛ بھوکے پیاسے..؟ مَیں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آج تجھے ہر حالت میں حاصل کر کے رہوں گا، راضی سے نہ سہی؛ تو زبردستی۔"

"بانس کی کھپچّوں پر بنے، مالکوں کے چیتھڑوں میں بنا ہاڑ ماس کے جمورے کی، یہ ہمت...؟ جسم کو ہلانے کی سکت نہیں، بنا بھیجے کی چٹکی مٹکی پر توے کی پُتّی کا لکھ کے درمیاں سرخ وارنش سے بنی، لمبی لٹکی زبان کا، یہ کلام...؟ ٹھہر...! آئینہ لاتی ہوں ابھی، منہ دکھانے کے لیے، تیرا۔"

"ابے مورکھ...! شکل پر نہ جا...! ساکھ دیکھ...! ساکھ، میری...! بھلے سکت نہیں ہلنے کی۔ پر دنیا کی ساری حکومتوں میں گھس پیٹھ ہے، میری۔ منتری سے سنتری تک ناچتے ہیں، میرے اشاروں پر۔ یہ شاسن پرشاسن سب میرے گھر کا ہے، سمجھی...! تو سمجھتی کیا ہے، مجھ کو....؟ اوباما کی لیموزن، فراری، کیڈی لاک گاڑیوں کے ڈرائیوروں کے پاس بیٹھتا ہوں، آگے اور اوباما....؟ پیچھے، سمجھی ...! میں چاہوں تو ایک منٹ میں حاصل کر لوں تجھے۔ زبردستی۔" بجوکا نے اپنا چہرہ بگاڑ کر لوہار کا گھن جڑ دیا۔

چھوئی موئی ہوں میں کیا...؟ جو چھونے سے مُرجھاؤں
ایسی ماں کی آل نہیں، جو ہوّے سے ڈر جاؤں

باڑ نے ٹھینگا دکھاتے ہوئے شعر پڑھ کر بجوکا کا مذاق بنایا۔

"ساتھیو....! کھینچ لاؤ...! اس حرام زادی کو، چھوٹی پکڑ کر، میرے پاس...!" بجوکا چیخا اور پلک جھپکتے ہی چرواہوں نے باڑ کو فوراً اپنے نرغے میں لے لیا۔

"لو، کر لو نا...! حاصل۔ منع کب کیا مَیں نے....؟" باڑ؛ بجوکا کے تیور، اور چرواہوں کا گھیراؤ دیکھ کر سہم گئی، یعنی کہ مڑ گئی، گرم اور سرخ لوہے کی طرح۔ پھر حالات کے تحت باڑ نے آنکھیں بند کر کے اپنا جسم کٹی پتنگ کی مانند چھوڑ دیا، بجوکا کے لیے اور بجوکا؛ بے ساختہ ٹوٹ پڑا، اُس پر۔

یوں تو بجوکا کی یہ خواہش صدیوں سے مچل رہی تھی، وہ جب بھی اپنی خواہش کا اظہار کرتا، باڑ کچھ سوچ کر اس کی پیش کش ٹھکرا دیتی۔ لیکن آج جب باڑ کو بجوکے کی آنکھوں کے لپکتے شعلوں سے محفوظ نہ رہنے کا احساس ہوا تو پلان کے تحت اس نے خود کو بجوکا کے سپرد کر دیا۔

''نہیں .....! یہ گناہ ہے، شادی سے پہلے، ایسا گناہ کرنے پر جہنّم کی آگ میں جھونک دیے جاؤ گے۔'' بجوکا؛ جب انگلی سے پہنچے پر لپکا تو باڑ نے دودھ کے اُبال پر پانی کا چھینٹا دے مارا۔

''تو بلاؤ نا قاضی ....! کرونا شادی ...!'' بجوکا نے بھی جہنّم کی آگ کے ڈر سے پہنچا چھوڑنے میں ہی عافیت سمجھی۔

''تم سمجھتے ہو، ایسے آجاتا ہے قاضی ....؟ یوں ہی ہو جاتی ہے شادی....؟ شادی سے پہلے خاندان والوں سے مشورہ لیا جاتا ہے، بات پکّی ہوتی ہے، تاریخ طے کی جاتی ہے، دُلھن کے یہاں جہیز کی مہینوں خریداری ہوتی ہے، شادی کارڈ چھپتے ہیں، رشتے داروں میں بٹتے ہیں۔ مالن کو سہرا سہری کے آڈرز دیے جاتے ہیں، براتیوں، جناتیوں کے عمدہ کھانے کے انتظامات کیے جاتے ہیں، سارے رشتے دار آتے ہیں، قیمتی تحائف لاتے ہیں۔ دُولھے کی طرف سے باجے گاجے، دھوم دھڑکّوں کے ساتھ بری چڑھتی ہے، جب آتا ہے قاضی، تب ہوتی ہے شادی؛ سمجھے....! اور پھر تو ہماری ہے یہ شادی۔ بڑے دھوم دھڑکّوں سے ہوگی۔ تاکہ دیکھے دنیا۔ کہ ہاں ہوئی کسی کی شادی۔ شادی میں برسیں لگ جاتی ہیں، میاں برسیں، ابھی تو کچھ دن اور ترسیں۔'' باڑ نے باتیں بناتے ہوئے، کسی پلاننگ کے تحت مستی میں لہرا کر ایکٹنگ کے ساتھ بجوکا کو ٹالنے کی کوشش کی۔

''یہ سب تو مجھ پر چھوڑ...!'' بجوکا تاؤلا ہو اُٹھا۔

''ہوں ں ں.....! یہ سب مجھ پر چھوڑ، ارے پگلو....! یہ سب کیا یوں ہی ہو جاتا ہے، باتوں سے .....؟ اس کے لیے تو رقم چاہیے ہوتی ہے، رقم۔ اور تھوڑی بہت بھی نہیں، تین چار کروڑ..! آیا سمجھ میں....؟''

''ارے مورکھ....! پھر ہوگی کیسے شادی....؟''

''مورکھ تو، تو ہے، تو ..! جو پھوٹی کوڑی نہ جوڑ سکا اَب تک؛ اور رچانے چلا شادی۔'' باڑ اٹھلائی۔

''پھر...؟''

''پھر کیا...؟ یہ سب تو مجھ پر چھوڑ...! مَیں کر کے دکھلاؤں گی، اور بڑے دھوم دھڑکوں کے ساتھ سمجھا..!'' باڑ نے نہلے پر دہلا مارا۔

''وہ کیسے....؟''

''کل ہی ہم برادری کی میٹنگ طلب کریں گے۔ تم بجوکوں کو باہر اپنی پریشانیاں سمجھانا...! اور مَیں باڑوں کو شادی کے لیے منالوں گی، بس چٹ منگنی پٹ بیاہ، او۔ کے۔'' باڑ نے مکڑی کی طرح بجوکا کو جال میں جکڑ لیا۔

''او۔کے۔ مگر یہ سب ہوگا کیسے اتنی جلد....؟'' بجوکا نے باڑ کی دانش مندی کا اعتراف کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ چرواہوں کی فوج کس دن کام آئے گی ہمارے ...؟ بدّھو داس.....!'' باڑ نے بازی مار لی۔

''بھئی مان گیا تم کو۔ آج میں سمجھا کہ تو بھی رکھتی ہے، کچھ عقل۔'' بجوکا نے اپنی ناو کی پتوار؛ باڑ کو سونپ دی۔

''ہُنہ ....! کچھ عقل .....؟ ارے بدّھو....! عقل تو ہم ہی رکھتے ہیں۔ تم لوگ تو نام کے ہوتے ہو، بس نام کے۔ دیکھونا....! ہم راج کرتے ہیں گھر میں اور تم خریدتے پھرتے ہو نون تیل لکڑیاں، اور سرخی پاؤڈر بھی۔ ہے نا ...؟ اب تم دیکھتے رہو....! کہ میں کل کرتی کیا ہوں...؟'' باڑ؛ بجوکے کو باتوں میں الجھا کر راست پر لے آئی۔

''آداب بھائی لوگو.....!'' اگلی صبح جیسے ہی چرواہے دکھائی دیے، باڑ نے لہرا اور مسکرا کر سلوٹ مارا۔

''آداب میڈم۔ پر یہ تو بتاؤ...! پہلے تو ہم کو دیکھتے ہی اپنی بڑی بڑی آنکھیں نکال کر گھورنے لگتی تھیں، بات کیا ہے؛ جو آج اتنی خوش ہیں...؟ آپ..!''

''بیاہ جو ہے، آج ہمارا۔'' باڑ نے شرماتے ہوئے لجا اور لہرا کر انگڑائی لی۔

''او۔کے....! مگر ہے کس سے.....؟''

''بجوکا سے، اور کس سے.....؟'' باڑ پھر لجائی۔

''واہ وا...! میڈم، مگر ہے کب.....؟''

''بتایا نا کہ آج ہی رات، مگر آپ سب کو مدد کرنی ہوگی ہماری۔''

''جان حاضر ہے، حکم تو کریں بہن جی...!''

''بیاہ کا سارا انتظام، یعنی کہ باجا گاجا، جہیز وہیز کھانا وانا سب، آپ کو ہی کرنا ہے، شان دار..! او۔کے...؟''

''بے فکر رہیں، میڈم...! فٹافٹ ہوگا انتظام شام تک، اور ایسا کہ دیکھے گی، دنیا۔''

''او۔کے۔ بس یہی تو چاہتی ہوں، مَیں۔'' باڑ پوری طرح لہرا گئی۔

''مگر یہ تو بتاؤ....! بجوکا بھی راضی ہے، نا....؟''

''دیکھو بھائی، مَیں وہ شے ہوں جو آدم تک کو اُتار لائی، اُوپر سے۔ تو بجوکا کی کیا بساط....؟''

''شاباش بہن جی، شاباش...! جواب نہیں ہے، آپ کا۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ صدیوں کے بعد بیاہ کا خیال آ کیسے گیا، ذہن میں آپ کے.....؟''

''سوچا، دنیا عیش کرتی ہے، ہم ہی ہیں، جو ایسی گھٹیا زندگی جی رہے ہیں، صدیوں سے۔ یہ سمجھو غلامی سے من اوب گیا ہے، اب میرا۔''

''صحیح سوچا، میڈم آپ نے۔''

''اچھا، تو پہلے یہ پیغام ساری باڑوں اور بجوکوں کو پہنچا دو...! ارجنٹ میٹنگ میں فوراً حاضر ہوں، سب کے سب۔''

''او۔کے۔ میڈم...! فٹافٹ حاضر کرتا ہوں سب کو۔ اچھا تو اب اجازت دیں، وقت کم ہے، کارڈ بھی چھپ کر بٹنا ہیں؛ سارے انتظامات کے ساتھ۔''

’’جاؤ...!اور کرڈالوانتظام،فٹافٹ....!‘‘

’’او۔کے۔بہن جی۔‘‘

’’ایک بات اور سنو....!‘‘ ’’بولو.....؟‘‘

’’مالکوں کو دعوت نامے دینا،مگر اس نوٹس کے ساتھ: ہم دونوں بیاہ کر رہے ہیں۔آج رات وہ فصلوں کی خود کریں،حفاظت۔پہلی بات تو یہ کہ کوئی آئے گا ہی نہیں،اور اگر کوئی آئے بھی،تو اپنے شاطر جانوروں کے بل بوتے ان کو بیاہ کے منڈپ اور فصلوں تک نہ پہنچنے دیں۔ویسے بھی پھول کھٹولے تو لُٹ ہی چکے ہوں گے،سب کے،تب تک۔‘‘

’’کیسی بات کہی میڈم۔ہم چرواہوں کو بے وقوف سمجھتی ہے دنیا،مگر ہوتے نہیں ہم بے وقوف۔ہاں،کبھی کبھی دوسروں کو بے وقوف بنانے کے لیے ناٹک ضرور کرنا پڑتا ہے،بے وقوفی کا۔اور وقت آنے پر بے وقوف بنادیتے ہیں،دنیا کو۔‘‘

’’ہاں ہاں ٹھیک ہے،ٹھیک ہے،مَیں بھی کوئی بے وقوف نہیں،مَیں نے بھی یہ کام کچھ سوچ کر ہی سونپا ہے،تم سب کو۔اگر اس کام کو تم نے میری مرضی کے مطابق انجام دے دیا تو ہستیاں بنادوگی،تم سب کی۔سمجھے...؟‘‘ باڑ نے سمجھا کر سب کو چلتا کیا۔

’’چرواہوں نے سب سے پہلے مہاجنوں کو موبائل ملا کر سارے حالات سمجھا کر ساری فصلوں کے آدھے پونے میں سودے کرڈالے۔مہاجنوں نے بھی چرواہوں کے لیے بڑی خوشی سے اپنے خزانے کھول دیے۔

چرواہوں نے ؛ کچھ کو،باڑوں اور بجوکوں کی ہنگامی میٹنگ کے لیے دوڑایا۔کچھ کو الگ الگ کام سونپ کر چلتا کیا۔شام تک سارے پکوان تیار ہوگئے۔جہیز میں کوئی بھی ایسی شے نہ تھی،یہاں تک ہر جوڑے کے لیے دو دو قیمتی امپورٹڈ گاڑیا ں تک جہیز میں شامل تھیں۔دنیا کا ایسا کوئی کھانا نہ رہ گیا تھا،جو تیار نہ ہو چکا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے شام تک ساری باڑیں اور بجوکے جمع ہوگئے۔بجوکا نے سب کو مخاطب کر کے اپنی پریشانی،رام کہانی سمجھاتے ہوئے کہا:’’اب ہم بھی اپنی پڑوسنوں باڑوں سے شادی رچا کر عیش کریں گے۔ہماری شادیوں کا سارا انتظام چرواہوں نے کر دیا ہے۔آپ لوگ فوراً نوشا بن کر بڑے دھوم دھڑاکے ساتھ اپنا اپنا بیاہ رچا کر اپنی اپنی دُلھنوں کو مع دان دہیز کے ساتھ لے جا کر عیش کریں،دنیا والوں کی طرح۔‘‘

ادھر باڑ نے ساری باڑوں کو زنان خانے میں جمع کر کے کہا: ’’بہنوں.....!یہ دنیا ہے،دنیا۔یہاں ہر شئے کو اپنے محور کے مطابق بہبودیٔ انساں کے لیے کام انجام دینا ہے۔زمین کا کام فصلوں کو اگانا،پانی کا فصلوں کو سیراب کرنا۔میرا مالک ہم کو کھیتوں کے چاروں طرف فصلوں کی حفاظت کے لیے اگاتا ہے۔مَیں بہبودیِ انساں کے لیے اپنے مالک کے حوالے کی گئی ہوں اور اپنے مالک کی وفادار ہوں۔جب بھی کوئی فصلوں میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے،اُسے فوراً لہولہان کر دیتی ہوں،اسی لیے مالک میری عزت کرتا ہے،کھاد لگاتا ہے ،پانی دیتا ہے،نہلا دُھلا تا کر ہرا بھرا رکھتا ہے۔بہت چاہتا ہے ہم کو،کبھی پھول کی چھڑی سے بھی نہیں چھوتا وہ۔بجوکا کو بھی تو کھیتوں کی رکھوالی کے لیے ہی تو بنایا جاتا ہے۔بجوکا کو چاہیے کہ وہ جانوروں کو ڈرائے،دھمکائے۔نہ کہ کھیت کو برباد کرائے،لیکن غدّار بجوکا ہمیشہ چرواہوں سے سانٹھ گانٹھ کر کے جانوروں سے فصل چروا دیتا ہے۔اور خود یوں ہی کھڑا رہتا ہے،سہا ہوا۔ہلتا تک نہیں کمینہ اپنی جگہ سے،اور جب جانور فصل چر جاتے ہیں تو مالک اسے خوب لٹھیا کر چور چور کر دیتا ہے۔وہ زمانے میں بہت بدنام ہو چکا ہے۔یہاں تک کہ قلم کاروں تک نے اس کی گھناؤنی شخصیت کے چیتھڑے کرڈالے ہیں۔

بجوکا ایک زمانے سے شادی کے لیے ہمارے پیچھے پڑا ہے۔اگر ہم آپس میں شادیاں کر کے مستیوں میں کھوجائیں،تو سارے جانور فصلیں چر جائیں گے۔اور مالک بھوکا مرجائے گا،انسان کیا کھائے گا....؟ دنیا کا نظام بگڑ جائے گا،نا...؟ کل رات چاند کو چاندنی سے اٹھکھیلیاں کرتے دیکھ کر بجوکا کا دماغ اور زیادہ خراب ہو گیا تھا۔وہ ہر حالت میں چرواہوں کی مدد سے میری عزت لوٹنے پر آمادہ تھا۔مَیں نے تُرپ چال سے آپ لوگوں کو یہاں جمع کیا ہے اور ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم کبھی بھی اس نکھٹو،چور،اچکّے،غنڈے،بدماش،لچّے،لفنگے کے جھانسوں میں نہ آئیں گے،بل کہ ہم سب ایک جٹ ہوکر ان کا مقابلہ کریں گے۔‘‘ باڑ نے اپنی ہمجولیوں کو تفصیل سے سمجھایا اور سبھی باڑوں نے جوش میں آکر بیلن،چمٹا اور چھلنی لے کر محاذ تیار کر لیے،اس طرف سارے بجوکے دُولھا بننے میں مگن تھے۔چرواہوں نے سارا جہیز سجا دیا تھا۔سارے براتی لذیذ کھانے اُڑا رہے تھے۔ڈی۔جے۔پر چرواہوں کی دھما چوکڑی نے تو زمین کو آسماں پر اُٹھا رکھا تھا۔براتی جناتی شراب و کباب میں ڈوبے ہوئے تھے۔کسی کو خبر نہ تھی کہ دُلھنوں نے اُن کے سواگت کے لیے کس طرح کے انتظامات کر رکھے ہیں۔جیسے ہی بجوکوں کی برات باجے گاجے کے ساتھ دُلھنوں کے دوارے پہنچی۔سب دُلھنوں نے اُوپر سے گرم پانی سے یلغار کر دیا۔دیکھتے دیکھتے ساری برات ہڑبے لڑبے ہوگئی۔سارے بجوکے زخمی ہوگئے۔صبح ہوتے ہی باڑیں کوتوالیوں میں پہنچ گئیں اور بجوکے نیتاؤں کی پناہوں میں۔

☆☆☆☆☆

نگینہ انٹرنیشنل

کا سالنامہ (ستمبر تا دسمبر ۲۰۱۸ء) منظرِ عام پر

مدیرِ اعلیٰ: وحشی سعید مدیر: مجید ترنبو

اس شمارے کی قیمت۔۵۰۰/روپے

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کا پتہ: ہوٹل شہنشاہ پیلس۔بلیووارڈ سرینگر۔190001(کشمیر)

علیم صبا نویدی
192, Triplicane Highroad
IInd Floor, Flat No.16,
Rice Mandi Street,
Chennai-600005

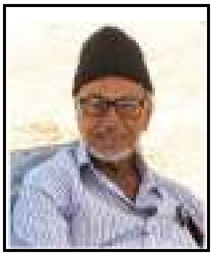

منی افسانے

دروازہ کھلتے ہی

دروازہ پوری طرح بند ہے۔میں کمرے کے اندر ایک رسالے کے مطالعے میں منہمک ہوں۔کبھی کبھی دروازے کی سمت اچٹتی نگاہیں اُٹھتی ہیں۔باہر بے ہنگم شور ہے۔شور تقریباً جس کا میں عادی ہو چکا ہوں۔یہ شور میرے ذہن کے خلا میں رقص کرتے رنگوں کو تحلیل نہیں کرتا۔میرے سکوت کے گریباں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا اور رسالے کے حروف کو مجھ سے نہیں چھینتا۔میں اطمینان سے پڑھتا ہوں۔فن کاروں کی تخلیقات سمجھ میں آتی ہیں۔بعض تجریدی قسم کی نگارشات کے لئے مجھے کچھ ٹھہرنا پڑتا ہے۔پھر اس خیال سے ورق گردانی کرتا ہوں کہ لکھنے والے کے آگے کوئی مقصد ہوگا ورنہ الفاظ اور تراکیب کے ملبے کے نیچے اسے اپنے وجود کو تڑپانے کی کیا ضرورت ہے؟

دیر دیکھ رہا ہوں کہ بند دروازے کی نچلی دراڑ سے صبح کی ملگجی روشنی چھن کر آرہی ہے۔ایک سایہ متحرک ہے۔سوچتا ہوں کہ کوئی باہر کھڑا ہوگا۔گم صم چپ چاپ ساکت و جامد۔لیکن اس نے دروازے پر دستک کیوں نہیں دی؟ چپ چاپ کیوں کھڑا ہے؟ میں اب رسالہ رکھ کر اس کی طرف دیکھ رہا ہوں۔سایہ تو متحرک ہی ہوتا ہے۔آواز دینے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن کوئی غیر مرئی طاقت منہ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے۔میں سوچتا ہوں آنے والا کوئی ایسا دوست نہیں ہے جو میری حیرت کی لو اونچی کرنا چاہتا ہے۔شاید اسے اس سے ایک طرح کی لذت محسوس ہو جیسے تصویر میں جنسی تلذذ کا خاموش عمل۔میں ایک ایک کا نام اپنی زبان سے دہراتا ہوں: فضل، حسن، قدرت، برق، حیدر، اقبال۔ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے مجھ سے کبھی شرارت کی ہو، مجھے چھیڑا ہو۔میں نے ان لوگوں سے ہمیشہ حدود کے اندر ملاقات کی ہے۔پھر یہ کون ہوسکتا ہے؟ رات کا وقت بھی نہیں جب کہ ہر سایہ تاریکی کی آغوش میں یوں سو جاتا ہے جیسے اس کا وجود نہیں رہا ہو۔جب صبح ہوتی ہے تو رات ان چمٹے ہوئے سایوں کو الگ کر دیتی ہے، کبھی کبھی نوچ نوچ کر اتنی دور پھینک دیتی ہے کہ سائے لڑکھتے، چیختے، کنمناتے اور سسکتے ادھر ادھر بکھر جاتے ہیں۔رات کا پھینکا ہوا ایک سایہ میرے دروازے کی دراڑ سے روشنی کی انگلی تھامے میری کرسی تک آنا چاہتا ہے۔میں اب صبر نہیں کرسکتا۔آہستہ آہستہ چور کی طرح بڑھنے لگتا ہوں، فوراً دروازہ کھول دیتا ہوں۔میری نگاہیں پھر سے اڑتی ہوئی چڑیا کے پر و بال کا تعاقب کرتی ہیں اور کچھ نہیں۔

☆☆☆

الوداع (منی افسانہ)

میں خاموش تھا.......میرا گھر خاموش.....

لوگ کہتے تھے کہ مذہبی روایات سے بغاوت کرنے کا خمیازہ میں بھگت رہا ہوں۔......آہستہ آہستہ گھر کی خاموشی نے اپنا رشتہ اداسی اور وحشت سے استوار کرلیا تھا۔گھر کے در و دیوار سے بھی اپنے سینے کا کرب ٹپک رہا تھا۔میرے کمرے کی وہ میز جس پر کئی شعری اور نثری نسخوں کا ڈھیر بکھرا پڑا تھا مجھے دیکھ رہا تھا، میں خاموش تھا.....

میری ماں مجھ سے اکثر کہتی تھی شعر و شاعری کا مشغلہ بہت منحوس ہوتا ہے۔اور یہ تیری شاعری کی نحوست ایک نہ ایک دن تجھے ہی نہیں بلکہ سارے گھر کو لے ڈوبے گی۔میری ماں کو جس دن کا انتظار تھا وہ منحوس دن آج میرے سامنے تھا، مگر میں خاموش آج اس موڑ پر کھڑا تھا جہاں شہرتوں کے سورج میرے پاؤں کا بوسہ لے رہے تھے اور زمین و آسمان بھی میری فکری تمازتوں سے نئی توانائی اپنے دامن میں سمیٹ رہے تھے، لیکن گھر کا ہر فرد میرے نام سے بیزار اور میرے شعری کارناموں سے نالاں تھا۔

میں خاموش تھا.......چاروں طرف مسلسل ہڑتال کے ہنگامی حالات سے سخت زشت پھیلنے اور خون ریزی کے جذبات سر اٹھانے کے امکانات تھے.....
لیکن وقت مزدوروں کی بھوکی لاشوں کو روندتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑی سرعت سے دوڑ رہا تھا۔مزدوروں کی ان بھوکی لاشوں میں میری اپنی بھی سسکتی ہوئی لاش موجود تھی.....

میں خاموش تھا.....لیکن میرا ''میں'' نحوستوں کے دلدل میں دھنستا جا رہا تھا۔اور میری شہرتیں، میری فکری تمازتیں مجھے میری تباہی کے جنازے میں رکھ کر بہ خوشی مجھے وداع کر رہی تھیں.....اور میرا فن، میری طرح خاموش تھا۔اس

آسماں کی طرح جس کو زمین کی وسعتیں ،سمندر کی گہرائیاں اور کوہساروں کی سربلندیاں بھی آج تک متاثر نہ کرسکیں۔....

☆☆☆

شناخت (افسانہ)

چاروں طرف پوندا ملی (موگرے) کی خوشبو سے ساحلِ مدراس کی فضا معطرتھی۔مہکی مہکی سانسوں کے گیت اپنے بھر پور شباب پر تھے۔دور دور تک نت نئے رنگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔کہیں قہقہوں کے جلوس تھے کہیں سرخوشیوں کی پھلجھڑیاں .....گویا ہر طرف گوناگوں کیفیتوں سے سرمستیوں کا ریشمی اجالا آہستہ آہستہ پھیل کر شام کے منظر کو حسین ودلکش اور خوش نما بنا رہا تھا۔ساحل سے دور بہت دور افق کے کناروں پر بجھی ہوئی سرخ چادریں سورج کے قتل کی گواہی دے رہی تھیں۔ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے جیسے ساحل کی ایک طرف زندگی کی بھرپور موجودگی اور دوسری طرف موت کی سی تاراج خاموشی ......گویا زندگی اور موت کے درمیان پرسکون ،اتھاہ سمندر اپنی لاسمتیت اور بسیط وجودیت میں گہری اور اطمینان بخش سانسیں لے رہا تھا۔

سمندر اور ساحل کے نظاروں سے لطف اٹھانے والے اپنے اپنے دامنوں کو لمحاتی تسلیوں سے معمور کرنے میں منہمک تھے.....لیکن جو''میں'' نہیں تھا۔بھیڑ میں رہ کر بھیڑ سے بے نیاز......پر کیف نظاروں کی انگلی تھامے احساسِ تنہائی کے جسم وجان سے رشتہ جوڑے دور بہت دور افق کے کناروں پر سوچ کے قاتل کی تلاش میں ......موت اور زندگی کے بھنور کی گہرائی میں ......تخلیق اور خالق کے درمیانی رشتوں کے بھید بھاؤ کی آگاہی میں اپنے ہی اندر ٹوٹ ٹوٹ کر چاروں اور بکھرتا چلا گیا تھا.....اپنی شناخت کے سارے ندارج آنکھوں کے دائرے میں سمیٹا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

(لعنت بھیجئے ایسی.....کا بقیہ)

اس فلم میں وہی غزل مشہور فلمی نغمہ نگار کے نام سے شامل تھی۔ہم سمجھے ہمارے کان دھوکہ کھا رہے ہیں۔مگر نہیں، حقیقت تھی۔میں وہی غزل تھی جس کے بارے میں میں نے کہا تھا کہ اسے فلم والوں کو دے دو۔ہم اب بھی بے یقینی کے عالم میں تھے۔اس لئے ہم نے فلم کے گانوں کی کتاب خرید لی۔اس میں بھی وہ غزل مع نغمہ نگار کے نام کے ساتھ موجود تھی۔ہم نے سوچا ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔مگر یہ تلخ حقیقت تھی۔میں گھر آیا اور ان کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ کہیں گئے ہیں۔ہم بے چینی سے ان کا انتظار کرتے رہے۔جیسے ہی وہ آئے ہم نے ان کو ساری بات بتادی اور گانے کی کتاب بھی ان کو دکھا دی۔پہلے تو انھوں نے ہم کو دھمکی دی مگر جب ہم نے ان سے کہا کہ چند روز میں یہ بات عام ہو جائے گی کہ تم اتنے دن تک چوری کی غزل سناتے رہے ہو۔اب وہ گھبرا کر ہماری خوشامد کرنے لگے۔خدا کے لئے کچھ بتاؤ۔میں کیا کروں۔میری عزت کا سوال ہے۔میں نے کہا پہلے آپ یہ بتائیں وہ غزل آپ کو ملی کہاں سے۔اس پر انھوں نے جو رام کہانی سنائی وہ اس طرح تھی۔مجھے جب شاعری کا شوق ہوا تو میں نے پہلے یہ کیا کہ پرانے شاعروں کے شعروں میں اپنے مطلب کے لفظ رکھ کر تبدیل کر لیتا۔اور لوگوں کو سناتا۔لوگ داد دیتے تو حوصلہ بڑھنے لگا مگر شعر کہنا میرے بس کا تھا نہیں پھر بھی تک بندی کرتا رہا۔انہیں دنوں ایک نشست میں ایک باریش بزرگ شاعر نے مجھ سے سوال کیا۔کس کے شاگرد ہو؟ میں نے کہا کسی کا بھی نہیں۔وہ کہنے لگے اسی لئے اس طرح کے شعر کہتے ہو۔میں نے کہا مجھے اپنی شاگردی میں لے لیجئے۔وہ مسکرائے اور بولے ٹھیک ہے۔جب سے میں ان کا شاگرد بنا اتنا فائدہ ہوا کہ وہ مجھے غزل بھی لکھواتے تو اور اپنے ساتھ بزموں کی نشستوں میں بھی لے جاتے ان سے ملے شعروں پر داد بھی ملتی۔مجھے خود پتہ نہ ہوتا کہ شعر کس کے ہیں۔وہ غزل بھی انھوں نے ہی لکھائی تھی۔جو چوری کی نکلی۔اب تو مجھے شک ہے انھوں نے جو کلام مجھے لکھایا ہے وہ بھی تو دوسروں کا تو نہیں۔آگے کی کہانی تو تمہیں معلوم ہے۔مگر خدارا کسی سے کہئے گا نہیں۔میری عزت کا سوال ہے۔اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔

میں نے چند منٹ سوچنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔بس اتنی سی بات پر پریشان ہوئے جا رہے ہو۔اگر کوئی اس سلسلے میں سوال کرے تو کہہ دینا۔میں نے کب کہا تھا کہ اپنی غزل سنا رہا ہوں۔اتفاق سے اس غزل میں مقطع نہیں تھا۔اس پر بھی نہ مانے تو ڈھٹائی کے ساتھ کہنا تم لوگوں کے پاس حسِ لطیف ہے ہی نہیں۔اتنا بھی مذاق نہیں سمجھتے کہ وہ یکم اپریل کی تاریخ تھی جب ہم نے وہ غزل سنا کر تم سب کو اپریل فول بنایا تھا۔یہ تو ٹھیک ہے مگر اب تو ہر غزل پر شبہ ہو رہا ہے۔

میں نے کہا کیا ضروری ہے کہ شاعری ہی کی جائے خواہ اس کے لئے ذلیل ہونا پڑے چوری کی اور اور مانگے کی غزلیں پڑھنا پڑیں۔لعنت ہے ایسی شاعری پر جس میں ہر وقت عزت کا جنازہ اٹھنے کا ڈر ہو۔

☆☆☆

ضروری اعلان

قلم کار حضرات سے گزارش ہے کہ اپنی تخلیقات ای۔میل سے ان پیج میں ارسال کریں تو ترجیحی بنیاد پر شامل اشاعت کی جائیں گی۔دفتر میں ڈی۔ٹی۔پی کے لیے زیادہ وقت لگتا ہے۔اس لیے ڈاک سے بھیجنے والوں کو انتظار کی زحمت گوارا کرنا پڑے گی (ادارہ)

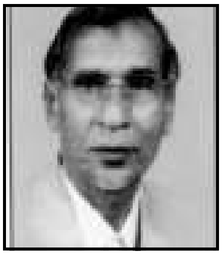

افسانہ

ایڈوکیٹ اجمل محسن
H.No:1-9-1035
FarhatMahalHostelColony
Subadari.Warangal-506001

اِدھر جنت اُدھر دوزخ

کینساس یونیورسٹی (امریکہ) میں بزنس منیجمنٹ میں ایم ایس کے دوران عامر اپنے ملک' اپنے شہر اور اپنے گاؤں کی یاد کر کے بہت زیادہ بے چین رہا کرتا تھا۔ وہاں کی کسی بات میں بھی اسے اپنے گاؤں کی خوبی نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن حصول علم کے لئے دل جمعی سے جڑا رہا۔ دو سال کے عرصے میں دنیا کے اس متمول ملک کے اکثر مقامات کی سیر کر چکا تھا مگر وہاں کسی بھی چیز میں اسے ہندوستانی تہذیب و تمدن کا ذرا سا بھی عکس دکھائی نہیں دیا۔ اسے ہندوستان کی ایک ایک چیز یاد آتی اور وہ بے چین ہو اٹھتا تھا۔ پھر بھی دل کو سمجھاتا کہ ایک مقصد لے کر یہاں آیا ہوں۔ اس کی تکمیل کے بعد پھر اپنے وطن لوٹ جاؤں گا۔ اس لئے وہ صبر کرتا رہا۔ آخری سیمسٹر رہ گیا ہے۔ اس کی تکمیل ہوتے ہی پر لگا کر وطن اڑ جاؤں گا۔

ایم ایس کی تکمیل کے بعد اسے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی اور ایک مشہور فرم نے اچھے عہدے کا آفر بھی دیا۔ عامر سوچنے لگا کہ جب اچھی تنخواہ کا آفر مل رہا ہے اسے ٹھکرانا ناشکری ہوگی۔ جہاں دو سال دور رہ کر زندگی گزار چکا ہوں' کچھ سال اور سہی۔ ملازمت کا کچھ تجربہ ہو جائے گا اور اپنے پرایوں کی تھوڑی بہت خدمت بھی ہو جائے گی۔ عامر نے بلیک بیری موبائل کمپنی میں جوئن کرنے کے لیے دو مہینوں کا وقت مانگا تا کہ وطن لوٹ کر کچھ وقت اپنوں میں گزار سکے۔ مگر کمپنی نے منظور نہیں کیا۔ تب اس نے سوچا کہ سال میں ایک بار چھٹی تو مل سکتی ہے۔ یہ سوچ کر اس نے جوئن کرلیا۔

نیویارک سٹی سیلز پروموشن یونٹ منیجر کی حیثیت سے اس کی بڑی قدر ہونے لگی۔ اس کا ہر پلان بلا کسی عذر کے منظور ہونے لگا۔ اسٹاف کا اشتراک بھی اسے حاصل رہا۔ سانولی سلونی چھریرے بدن والی ایتھوپین لڑکی لوسی اس کی دستِ راست تھی۔ بڑی فرمانبردار بھی تھی۔ بعض وقت اتنے قریب آجاتی کہ اس کی سانسوں کی گرمی وہ اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگتا۔ اس کے بدن میں جھرجھری سے دوڑ جاتی۔ اس سے پہلے کہ اس کے قدم لڑکھڑائیں اس کی ہندوستانی منگیتر روبینہ اس کی نظروں کے آگے کھڑی ہو جاتی۔ وہ روبینہ اور لوسی کا موازنہ کرتا۔ رنگ روپ' رکھ رکھاؤ یکساں سہی لیکن لوسی میں وہ ہندوستانی شرم وحیا کہاں۔ روبینہ اگر ہندوستانی تہذیب کی منہ بولتی تصویر ہے تو لوسی مغربی تہذیب میں رنگی ہوئی بیباکی اور بے حجابی کا نمونہ ہے۔

ملازمت میں رہتے ہوئے ایک سال گزرنے کے بعد عامر نے جب چھٹی کی عرضی دی تو جواب ملا کہ پروجیکٹ جب تک مکمل نہ ہو جائے چھٹی نہیں مل سکتی۔ اس نے جی جان لگا کر پروجیکٹ کو دو تین سال کے اندر مکمل کیا تو اس کی چھٹی منظور کر لی گئی۔ اس نے گھر میں فون پر بتا دیا کہ جلد ہی وطن لوٹ رہا ہے۔ یہ خبر ملتے ہی اس کے گھر والے پھولے نہ سمائے اور اس کے گاؤں مستان پور میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے گھر والوں نے طے کر رکھا تھا کہ دوبارہ اسے امریکہ جانے نہیں دیں گے۔

عامر کے والد کا انتقال اس کے بچپن میں ہو چکا تھا۔ جوان ہونے تک اس کی پرورش اس کے ماموں نصیر الدین پٹیل کے گھر میں ہوئی تھی۔ ان کی بیٹی روبینہ بھی تقریباً اسی کی عمر کے برابر تھی۔ دونوں ایک ساتھ کھیلتے کھلاتے اور لڑتے جھگڑتے جوان ہوئے۔ دونوں کو ایک ساتھ کھیلتا مسکراتا دیکھ کر چچا نے اپنی بیٹی روبینہ کی نسبت عامر سے طے کر رکھی تھی۔

عامر نے جب بی ٹیک کر لیا تو شادی کی بات اس کے سامنے رکھی گئی۔ مگر اس نے کہا ایم ایس کرنے کے بعد جب ملازمت میں لگ جاؤں تو شادی کروں گا۔ بات معقول تھی منظور کر لی گئی اور اس طرح عامر امریکہ چلا گیا۔

اب وہ اپنے وطن لوٹ رہا تھا۔ ہوائی جہاز کے سفر کے چند گھنٹوں کے درمیان وہ اپنی آنکھیں بند کیے اپنے وطن کا خوبصورت نظارا کرتا رہا۔ دہلی کا قطب مینار' جنتر منتر' چاندنی چوک' حضرت نظام الدین اولیا' جامع مسجد' غالب کا مقبرہ ایک کر کے اس کے تصورات کے پردے سے گزرتے رہے۔ پھر ممبئی کے شیواجی ٹرمینل' فلورا فاؤنٹین' اکیوریم' چرچ گیٹ' کرافٹ مارکیٹ' محمد علی روڈ' درگاہ حاجی علی' فلم سیٹی' دادر کے پر ہجوم بازار' کھنڈالا کی خوبصورت گھاٹیاں' آگرے کا

(بقیہ صفحہ 14 پر)

منظور پروانہ

ChickenShoppe
NazirAbad.Lucknow-226018(U.P)
Mob-9452482159
Email : manzoorparwana7673@gmail.com

لعنت بھیجئے ایسی.....

عام طور پر شعراء کے بارے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ شاعر اگر کوئی نیا کلام لکھتا ہے تو وہ اس وقت تک بے چین رہتا ہے جب تک وہ کلام کسی کو سنا نہیں دیتا۔ اگر وہ اس میدان کا نیا کھلاڑی ہے تو اس کا رویہ بالکل ہی الگ ہوتا ہے وہ غزل تو دور اگر اک شعر بھی لکھ لیتا ہے تو اپنے احباب کی محفل میں کسی نہ کسی بہانے سنا کر ہی دم لیتا ہے۔

اس طرح کا ذاتی تجربہ مجھے اس وقت ہوا جب میرے مکان کے بالائی حصہ میں جو کرائے دار تھے۔ ان کے اکلوتے بیٹے کو شاعری کے جراثیم لگ گئے یعنی شاعری کا بھوت ان پر سوار ہو گیا۔ اب ان کا یہ عالم ہر وقت شاعری کا وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ دن رات اسی نشہ میں مست۔ نہ کام کے نہ کاج کے دشمن اناج کے۔ ان کا بھی وہی حال کہ اگر ایک شعر بھی لکھ لیا (تک بندی کر لی) تو گھر کے ہر فرد کو سناتے پھر رہے ہیں۔ اس کے بعد بھی چین نہیں۔ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ جلد شام ہو اور ہوٹل میں شعراء کا اجتماع ہو اور وہ کسی نہ کسی بہانے ان لوگوں کو اپنا شعر سنائیں۔ اکثر ایسے موقعوں پر ان کا رویہ کچھ ایسا ہوتا۔ چپ چاپ بیٹھے ہیں، اچانک زور سے واہ کا نعرہ لگایا لوگ ان کی طرف دیکھتے اور وہ فوراً کہتے کیا شعر ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اس طرح وہ شعر سنا کر اپنے پیٹ کا درد ختم کرتے تب ان کو چین ملتا۔

مجھے اکثر ان کی تک بندی کا شکار ہونا پڑا۔ کیونکہ اکثر شام کو وقت کاٹنے کے لئے میں بھی اس ہوٹل پر بیٹھتا تھا۔ حالانکہ مجھے شعر گوئی کا کوئی شوق نہیں تھا مگر شعر سننے کا شوق ضرور تھا۔ پہلے تو وہ صرف ہوٹل پر ہی مجھے اپنی شاعری سے مجروح کرتے تھے۔ اب گھر پر بھی وہ اپنے تک بندی کے تیروں سے گھائل کرتے رہتے ہیں۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں گھر سے نکلا ہی تھا کہ ان کا سامنا ہو گیا۔ لپک کر میرے پاس آئے اور بولے۔ ایک غزل سن لو، بالکل تازہ لکھی۔ قہراً جبراً میں نے کہا ارشاد۔ اب جو انھوں نے غزل سنانی شروع کی تو میرے چودہ طبق روشن ہوتے چلے گئے۔ یہ غزل تک بندی کی سرحد سے نکل کر کلام موزوں کے مراحل پار کر شاعری کی منزل پر تھی۔ میں حیرت سے غزل سنتا رہا۔

جب وہ غزل سنا چکے تو میں نے وہ پرچہ ان کے ہاتھ سے لے کر دوبارہ اس غزل کو غور سے پڑھا۔ غزل واقعی اچھی تھی۔ میں نے غزل کی تعریف کرتے ہوئے ان سے کہا تم نے یہ اچھی غزل لکھی ہے۔ بس پھر کیا تھا اپنے منہ میاں مٹھو بن کر بولے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اب دیکھنا میں کتنی اچھی غزلیں لکھتا ہوں۔ ان کی یہ خود اعتمادی دیکھ کر مجھے لگا کہ شاید انہیں کوئی اچھا استاد مل گیا ہے۔ یا پھر کوئی دست غیب ان کی مدد کر رہا ہے۔ کیونکہ میں سو فیصد یہ جانتا تھا کہ غزل ان کی طبع زاد تو ہو ہی نہیں سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ کسی استاد کی عطا زاد ہو۔ بہر حال ان کے اعتماد کو بڑھاتے ہوئے میں نے ان کو رائے دی۔ یہ غزل کسی فلم والے کو دے دیجئے اگر فلم میں آ گئی تو نام کے ساتھ دام بھی حاصل ہو جائیں گے۔

میری اس رائے پر وہ تنک کر بولے میں اتنی شاندار غزل کو واہیات جگہ پر نہیں دونگا۔ شہرت کے بھوکے دولت کے حریص کی یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ ایک دن دیکھتا کیا ہوں کہ وہ ٹیپ ریکارڈر لادے چلے آ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا خیریت۔ بولے اپنی غزلیں ترنم سے ریکارڈ کرونگا۔ اب ہر وقت ایک ہی مشغلہ۔ غزل ریکارڈ ہو رہی ہے۔ کبھی آواز خراب ہو جاتی، کبھی غزل کا کوئی مصرع غلط ہو جاتا۔ کبھی غزل اور آواز دونوں ٹھیک ہوتے تو ترنم بگڑ جاتا۔ خدا خدا کر کے کئی دن بعد غزل ریکارڈ ہو پائی۔ جب غزل کو ٹیپ ریکارڈ پر سنا تو یقین جانئے۔ ایسا لگا جیسے کوئی بچہ دودھ نہ ملنے کی وجہ سے چیخ رہا ہو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خراب۔ بھوکا بچہ رونے کے درمیان سانس بھی لے لیتا ہے مگر انھوں نے جو غزل شروع کی تو آخر میں ہی سانس لی۔ مگر مجبوراً تعریف کرنی پڑی۔ کیونکہ خراب کہنے پر ڈر تھا کہ کہیں پھر سے غزل ریکارڈ کرنے کا جنون نہ سوار ہو جائے۔ کافی عرصہ تک اس غزل کا بھوت ان پر سوار رہا۔ بہر حال اب بھی شاعری کی گاڑی چل رہی ہے یعنی شاعری کا بھوت ان کو نچا رہا ہے۔ ورغلا رہا ہے۔ اب ہر وقت اصیل مرغ کی طرح ان کی گردن اکڑی رہتی ہے۔ میرا ابھی ان سے ملنا کم ہوتا ہے۔ میں اپنے کاروبار میں پھنسا رہتا ہوں۔

مگر ایک تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب ہم ایک فلم دیکھنے گئے تو

(بقیہ صفحہ 38 پر)

افسانہ

سراج وجیہہ تیرانداز

روبوٹ لڑکی

عورت کو دنیا نے جس نگاہ سے دیکھا تاریخ اس کی گواہ ہے۔

مختلف ممالک اور مذاہب میں عورت کو دیکھنے کا نقطۂ نظر مختلف رہا ہے۔ قدیم تہذیبوں اور ممالک میں مثلاً روم، عورت کو گھر کا اثاثہ سمجھتا ہے۔ یونان اس کو شیطان کہتا ہے۔ یہودی قوم عورت کو لعنت ابدی کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ عیسائی اسے باغ انسانیت کا کانٹا تصور کرتے ہیں۔ اور یورپ والے اسے خدا یا خدا کے برابر توجہ دیتا ہے۔ ہندوستان کے ہندو میتھالوجی میں عورت یا تو دیوی کا روپ ہے داسی مانتا ہے۔ مذہب اسلام میں عورت کے وجود سے گھر کا نمونہ جنت کا گھر بنتا ہے۔ ماں کے مرتبے کو ماں کے پیروں کے نیچے جنت ہے کا تصور دیتا ہے۔ راجپوت قوم کے لوگ کو گھر کی عزت گھر کی زینت تصور کرتے ہیں۔ اور عورت کو پوری عظمت ووقار کے ساتھ خوش رکھتے ہیں۔ اور عورت کو ایک دیوی کا درجہ اور روپ سمجھتے ہیں۔

آج کے دور میں لڑکیاں اپنے آپے سے باہر ہو کر اپنے آپ کو ہوشیار سمجھنے لگی ہیں۔ زیادہ تر لڑکیاں ایک نئی سوچ کی پروردہ ہو گئی ہیں۔ موبائل اور نیٹ میں کھو کر وہ زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے معاملے میں خود فیصلہ کرنا چاہتی ہیں۔ خیر یہ ان کا حق بھی ہے۔ لیکن وہ یہ فراموش کر جاتی ہیں کہ مشورے میں خیر ہے۔ ماں باپ کی ہدایت کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔ لیکن نہیں۔ لڑکیاں اپنی رائے کو مقدم سمجھنے لگی ہیں۔ مثلاً اپنے کپڑوں کے انتخاب سے لے کر اپنی ضرورت کی ہر شئے اپنی پسند سے خریدتی ہیں۔ بعض اوقات ان کے سرپرست سمجھاتے ہیں کہ وہ چیز جو وہ پسند کر رہی ہے اس میں فلاں چیز کی کمی ہے۔ یا خامی ہے۔ کسی دوسری چیز کا انتخاب کر لو۔ مگر وہ اپنی پسند کو ترجیح دیتے ہوئے اسی چیز کو منتخب کرتی ہیں۔ جس پر اس نے ہاتھ رکھا ہے۔

بعد میں لڑکی کو محسوس بھی ہوتا ہوگا تو وہ فراموش کر دیتی ہے۔

والدین یا بڑوں کی صحیح رہنمائی کا احساس کھٹکتا بھی ہے۔ مگر اس نے بڑوں کا کہنا نہیں مانا۔ یہ کامیابی کی دلیل نہیں ہے۔ وہ شادی جیسے اہم مسئلہ میں بھی اپنی پسند کو ترجیح دے رہی ہیں جو مناسب بھی ہے اور یہی ان کا قانونی حق بھی ہے۔

چاہے لڑکیاں اپنی صورت شکل کی خوبصورت ہوں نہ ہوں۔ وہ اپنے لیے حسین ہم سفر کا ہی خواب دیکھتی ہیں۔ لڑکا پڑھا لکھا ہونا چاہیے اچھی ملازمت بینک بیلنس والا ہونا چاہیے۔ آج کل کی لڑکیوں کی نظروں میں سب سے اہم چیز لڑکا اتنا خوب صورت اور اسمارٹ ہونا چاہیے کہ جو دیکھے واہ واہ کر اٹھے۔ اس کے برعکس والدین اپنی بیٹی کے لیے لڑکے کا انتخاب کرتے ہوئے۔ اس کی سیرت کو ترجیح دیتے ہیں۔ لڑکے کے فیملی بیاک گراؤنڈ کو نظر میں رکھتے ہیں۔ لڑکیاں لڑکوں کی خوبصورتی ملازمت کو اس لیے ترجیح دیتی ہیں کہ شادی کے بعد اپنی سہیلیوں اور رشتہ داروں میں اپنے شوہر کی بڑائی کر سکیں۔ لڑکیاں نسوانی حقیقتوں سے دور ہوتی جا رہی ہیں۔ اور فطری تقاضوں اور مصلحت کو فراموش کرتی جا رہی ہیں۔ لڑکیوں کی کامیابی خوبصورت بڑوں کی ہدایتوں میں ہے۔ لیکن آج۔

ترقی کی سمت دینا تیزی سے گامزن ہے۔ ایک سماجی تحقیق کمپنی کا کہنا ہے کہ اب لڑکیاں بغیر ازدواجی زندگی کے بالغ ہوتے ہی سائنسی بیضہ خریدے گی اور اپنے پیٹ میں رکھے گی تھوڑے دن بعد بچہ پیدا کرے گی مگر ماں نہیں ماں نہیں بنے گی کسی تنظیم کے حوالے اس بچے کو کرے گی ان کی فیس دے گی بچہ اسے چاہیے تو آ کر لے جایے گی ورنہ اسے وہیں چھوڑ دے گی۔ عورت کی آزادی کی ایک اور جھلک دیکھئے۔ امریکہ والوں نے تو ایک روبوٹ لڑکی بھی بنا ڈالی ہے۔ لڑکی روبوٹ اور یہ ذرا مہنگی مشین ہے۔ آج کی عورت ترقی یافتہ زندگی گذار رہی ہے دنیا بھی ترقی کی سمت تیزی سے گامزن ہے۔ ایک نئی ٹیکنیکل تحقیق کمپنی کا کہنا ہے کہ اب امیر گھرانے کی لڑکیاں بغیر ازدواجی زندگی گزارنا چاہتی ہیں۔ بالغ ہوتے ہی باہر کے ملکوں میں دستیاب ہونے والے بیضے خریدے گی اور کالے بھورے لال جس طرح کے وہ جو چاہتی ہیں قد ناک چہرے رنگ جیسے اور جتنا انہیں پسند ہو خرید کر اپنے پیٹ میں رکھے گی تھوڑے دن بعد بچہ یا بچی پیدا کرے گی۔ اور اس کے لیے بچہ سنبھالنے کی تنظمیں بھی مل جائیں گی۔ کسی تنظیم کے حوالے کرے گی۔ بڑا ہونے کے بعد اس کی فیس ادا کر کے بچے کو گھر لائیگی۔ اگر بچہ نہیں چاہیے تو بچہ اسی تنظیم کو بیچ آئے گی۔ یہ عورت کی آزادی کی ایک جھلک تھی۔ اب مردوں کی آزادی کی ایک جھلک دیکھئے۔

جنگی اسلحہ بنانے والی کمپنیوں نے بغیر ڈرائیور کی کاریں، بس، ریل گاڑی، ہوا میں اڑنے والی کار بناتے بناتے، روبوٹ لڑکیاں بنانا شروع کر دیا

ہے۔ انسانی شکل کو ہو بہو لڑکی روبوٹ تیار کرلی ہے۔ یہ روبوٹ لڑکی صاف صفائی کے علاوہ گھر کے ہر شعبے کا ہر ایک کام پٹائے گی۔ رسوئی گھر میں رسوئی بنائے گی۔ روبوٹ کھانا برتے گی وغیرہ خاص طور پر جاپان والوں نے اپنی مقناطیسی ٹیکنالوجی کا استعمال کر کے روبوٹ لڑکی بنایا ہے۔ اب یہ مارکیٹ میں بھی آچکی ہے۔ نوجوان لڑکوں کے لیے یہ تحفہ ہے۔ مالدار نوجوان اس سے شادی جیسی پیار محبت کی زندگی گزاریں گے۔ پیار محبت کے پرسکون لمحات سے لطف اندوز ہوں گے۔ روبوٹ لڑکیاں گھر میں رہیں گی لڑکا گھر آنے کے بعد اس کا خیر مقدم کرے گی دروازہ کھولے گی خدمات انجام دے گی۔ بستر اٹھائے گی بچھائے گی۔ یہاں تک کے نوجوان لڑکا اس روبوٹ لڑکی سے اپنی جنسی خواہشات بھی مٹائے گا۔

اس بگڑتے ہوئے غیر فطری معاشرے کا مستقبل میں کیا حال ہوگا۔

اگر یہ سماجی بیماری ہے۔ تو اس کا علاج کیا ہوگا؟

☆☆☆

تصحیح

حیرت فرخ آبادی صاحب کی ایک غزل گزشتہ شمارے کے صفحہ ۳۳ ر میں شائع ہوئی ہے۔ اس غزل کے دو اشعار میں غلطیوں کے لیے ادارہ معذرت خواہ ہے۔ درست اشعار حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔

کہیں رک جاتے بھلا بیٹھتے دو پل کے لیے
پاؤں بخشے بھی تو للہ کیا رفتار کے ہیں

۲۔

کاش مل جاتی یا دیتا کوئی ان کو سمجھ
وہ جو منگل کے ہیں، جمعہ کے ہیں، اتوار کے ہیں

عرضِ حال

یونس عاصم صاحب کو فی الحال کمپوزنگ کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اس میدان میں ابھی وہ نئے نئے اترے ہیں اور کمپوزنگ کی تربیت لے رہے ہیں۔ اس طرح رسالے کی اشاعت میں تاخیر کا امکان ہے۔ امید ہے کہ خریدار حضرات یہ زحمت گوارا فرمائیں گے۔ (ادارہ)

ڈاکٹر قمر الزماںؔ
SBI, MTPS, DVC Colony.Bankuara-83
Mob:7076557266

ہزل

عجب عشوہ گر سے پڑا مجھ کو پالا
سیہ فام تل نے مجھے مار ڈالا

وہ گلفام آتا نظر تھا بظاہر
مگر نکلا اندر سے اک کوّا کالا

نمک چھینٹتے جب ہو زخموں پہ میرے
تو ہوجاتا اس کا مزہ ہی دوبالا

اگر دے دے بیدرد گندی سی گالی
تو کھل جایے تیرے مقدر کا تالا

جگر چھیدتی ہے نظر اس کی ترچھی
ہمیشہ لیے رہتا ہے جیسے بھالا

تجھے کیا پڑی ہے کہ بھیجا کھپایے؟
اگر حکم دے تو خوشی سے بجا لا

جو بگڑی ہوئی ہے قدم بوسی کرلے
جو روٹھی زماںؔ ہے تو جاکر منا لا

افسانہ

محمد رفیع الدین مجاہدؔ
BehindHaqqaniaMasjid
BardanewaliGali
Muzaffarnaga-444006(M.S)
موبائل:۔8087382570

پس منظر

چوراہے پر ایک طرف بیٹھا وہ موچی چپلیں درست کرنے میں مصروف تھا۔ ایک صاحب اپنے بچہ کے ہمراہ ٹوٹی ہوئی چپلیں درست کروانے کے لیے آئے تھے۔ بارش کا موسم ختم ہونے والا تھا اور اس موسم کے بعد درست کی ہوئی چپلیں کارآمد و مفید ثابت ہوا کرتی ہیں۔ ان صاحب نے چپلیں موچی کے حوالے کیں اور آدھا گھنٹہ بعد آنے کے لیے کہہ کر اپنے دوسرے کام سے چلے گئے۔ موچی بھی اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

آدھا گھنٹہ بعد وہ صاحب آئے تو موچی غائب تھا لیکن اس کی دُکان اپنے ساز و سامان کے ساتھ سجی ہوئی تھی۔ وہ صاحب بڑی بے چینی سے موچی کا انتظار کرنے لگے۔ انھوں نے اپنی چپلوں کی تھیلی رکھی دیکھی مگر اسے ہاتھ نہیں لگایا کہ کہیں کسی اور چیز کی چوری کا الزام نہ لگ جائے۔ اور پھر موچی کو مزدوری بھی تو دینی تھی۔ وہ صاحب وقت گزاری کی خاطر موبائل سے کھیلنے لگے اور بچہ ادھر ادھر کچھ اپنے کام کی چیزیں تلاش کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد موچی آ گیا۔ ''ارے کیوں بھیا! کہاں چلے گئے تھے؟'' وہ صاحب سراپا سوال بن بیٹھے۔ ''صاحب جی! دھاگہ ختم ہو گیا تھا' لے آیا ہوں۔'' موچی نے جواب دیا۔ اس کے مُنہ سے شراب کی بُو آ رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگا۔ تبھی ایک آدمی وہاں آیا جو موچی کا شناسا تھا۔

''اُدھر چوک پر لوگوں نے ایک جوان لڑکے کو بہت مارا ہے۔'' اس آدمی نے کہا۔

''کیوں؟'' موچی نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ ''کچھ لپھڑا ہو گیا تھا کیا!'' ''ہاں!'' اس آدمی نے جواب دیا۔

''بہت دنوں سے وہ جوان لڑکیوں کو چھیڑ رہا تھا۔ آج وہ دُھنائی ہوئی کہ عمر بھر یاد رکھے گا۔'' موچی کی نگاہیں بڑی تیزی سے چلنے والے اپنے ہاتھوں پر مرکوز تھیں مگر کان اس آدمی کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔

''بیٹا! مٹی مت کھیلو! کپڑے گندے ہو جائیں گے۔'' صاحب نے اپنے بچہ سے کہا۔ ''بچہ ہی تو ہے صاحب! کھیلنے دیجئے اسے۔'' موچی بولا۔ ''بچوں کی ابتداء ہی سے اچھی تعلیم و تربیت ہونی چاہئے ورنہ بڑے ہو کر وہ ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔'' صاحب نے کہا۔ ''اب اس نوجوان کو دیکھو نا صاحب!'' موچی کا شناسا کہنے لگا۔ ''کیسے ماں باپ کا نام مٹّی پلید کرتا پھر رہا ہے۔''

''آجکل کے لڑکے ایجوکیشن حاصل کرنے کے باوجود جاہل ثابت ہو رہے ہیں۔'' موچی بولا۔ ''کیا تم خاندانی موچی ہو؟'' صاحب نے اچانک موضوع بدل کر پوچھا۔ ''ہاں! اچھا خاصا خاندان ہے' کھیتی باڑی ہے۔ مجبوری میں پیٹ بھرنے کے لیے یہ کام کر رہا ہوں۔'' موچی نے اطمینان سے جواب دیا۔

''کیا کچھ پڑھا بھی ہے!؟'' صاحب نے ایسے ہی پوچھ لیا۔ ''یس سر۔ آئی ایم بی کام ایل ایل بی'' موچی بڑی خود اعتمادی سے بولا۔ ''وہاٹ!!!'' صاحب کو حیرت سے شاک سا محسوس ہوا۔ ''یس سر! اگر میں ایل ایل بی کمپلِٹ کر لیتا تو آج وکیل ہوتا۔'' موچی نے بڑے رسان سے کہا۔ ''لیکن پھر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟'' صاحب نے دلچسپی سے پوچھا۔ ''کیا بتاؤں سر! کالج میں ایک لڑکی سے لو ہو گیا اور کورٹ میریج کرنی پڑی۔ گھر والوں نے چلتا کر دیا۔ پھر کاہے کی پڑھائی۔ وائف کے نِت نئے نخروں نے کمانے کی چاہ میں یہاں بٹھا دیا۔ اب تو بچے بھی بڑے ہو رہے ہیں۔ موچی بولا۔ یعنی تمہارے اوپر لو (Love) حاوی ہو گیا تھا!'' صاحب بولے۔ ''یس سر۔ یہ رہیں آپ کی چپلیں!'' صاحب نے چپلیں لے کر مزدوری دی اور کسی گہری سوچ میں کھو کر سکوٹر سٹارٹ کرنے لگے۔ خیر سے وہ کہانیاں بھی لکھتے تھے۔ انھیں اس واقعہ میں ایک انوکھا موضوع و خیال نظر آ رہا تھا اور ایک کہانی ذہن میں ہلچل مچا رہی تھی۔

☆☆☆

غزلیات

رمیش کنولؔ

A.D.M Patna(Bihar)

میں اپنے ہونٹوں کی تازگی کو تمہارے ہونٹوں کے نام لکھ دوں
حنا سے روشن ہتھیلیوں پر نظر کے دلکش پیام لکھ دوں
اگر اجازت ہو جانِ من تو کتابِ دل کے ہراک ورق پر
میں صبحِ کاشی کی روشنی میں اودھ کی مستانی شام لکھ دوں
بدن پہ ساون کی ہے عبارت، نظر میں دونوں کی ایک چاہت
مرے لبوں کو جو ہو اجازت وفا کا پہلا سلام لکھ دوں
مسرتوں میں گہن پرروشن عوامی خوشیاں بلک رہی ہیں
تمھیں بتاؤ اے میرے رہبر کہاں سے بہتر نظام لکھ دوں
جو دل میں رہ کر ستم پہ مائل اسے ہراک پل دعائیں دوں میں
سلگتے سورج سے دور رکھ کر سکوں کے سائے کی شام لکھ دوں
ڈیلیٹ کردوں گا اس کے غم کو میں دل کے اب لیپ ٹاپ سے بھی
خوشی کے جتنے ملے ہیں ڈیٹا انھیں میں دلبر کے نام کردوں
بہت دنوں تک چلا مقدمہ لو آگیا اب تو فیصلہ بھی
کنولؔ میں چاہوں گلے لگا کر عدو کے دل میں بھی رام لکھ دوں

کریم خاں نشاط

AzadNagar.shegaon
Buldana-444203
Mob-9175310084

بجھا نہ پائی ابھی تک ہوا دیکھو
میرے چراغ کا آندھی میں حوصلہ دیکھو
ہمارا وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا
کبھی خوشی تو کبھی غم کا سانحہ دیکھو
کہیں خزاں کی حکومت کہیں بہاروں کی
بدل گیا کوئی موسم تو پھر وبا دیکھو
خدا کے گھر کو بھی ویران کردیا ہم نے
کہ روز آتی ہے مسجد سے پھر صدا دیکھو
نشاطؔ ہم نے کہا تھا کسی سے سچ لیکن
برا لگا ہے اسے ہوگیا خفا دیکھو

کے۔انیس اظہرؔ

Periapet.Vaniyambadi
Dist:Vellore-635751
Mob-7092857345

تم آئے لوٹ کے قسمت مری چلی آئی
تمہارے دم سے ہراک لمحہ زندگی آئی
یہ کس کا نام زباں پر ابھی ابھی آیا
یہ آج کیسے لبوں پر مرے ہنسی آئی
لکھی ہوئی تھی خموشی مرے مقدر میں
جو آہ آئی زباں پر دبی ہوئی آئی
ہمارے ضبط کا یوں امتحاں نہ لو یارو
نوائے کرب بھی ہونٹوں کو اپنے سی آئی
کمی رہی ہے ہمارے ہی مانگنے میں مگر
خدا کے لطف و کرم میں کہاں کمی آئی
وفا کی راہ میں جب ساتھ اس نے چھوڑ دیا
بہت اداس مرے ہاتھ زندگی آئی
بجھے بجھے تھے مرے گھر کے سب دیے اظہرؔ
وہ آئے جب تو چراغوں میں روشنی آئی

قاسم رساؔ

Gawaliore(M.P)

جذبۂ شوق بڑا کام آیا
آپ کے لب پہ میرا نام آیا
سرخرو وہ ہی ہوا الفت میں
جس کے سر عشق کا الزام آیا
کھل گئے راز جو پوشیدہ تھے
آج پھر کوئی سرِ شام آیا
دل میں جب درد اٹھا تب جانا
واقعی آپ کا پیغام آیا
جو نکمہ تھا رسا ان سب میں
جب پڑا وقت وہی کام آیا

حوالدار سلیم الدین عامرؔ

AzadNagar.Shegaon.
Buldana.Mob-9881326536

نعتِ سرور سنا گیا کوئی
دل میں ایماں جگا گیا کوئی
کفر و الحاد کے تھپیڑوں سے
دل کا شیشہ بچا گیا کوئی
تیرگی چھٹ گئی جہالت کی
شمع ایسی جلا گیا کوئی
بات کی ان سے تو لگا مجھ کو
ہم زباں جیسے پا گیا کوئی
زندگی مسکرا اٹھی جیسے
سازِ دل یوں بجا گیا کوئی
جانے دل کتنے ٹوٹے ہیں عامرؔ
ایک مسجد جو ڈھا گیا کوئی

عزیز خاں عزیزؔ

C/O:QaisarHafeez
Al-HasnaRoad.Shegaon
Buldana.Mob-7385535506

سارے عالم کو جائزے میں رکھو
خود کو مخصوص دائرے میں رکھو
لوگ نکلیں گے ڈھونڈنے تم کو
کچھ نشانات راستے میں رکھو
لوگ پہچان بھول جاتے ہیں
اپنے اوصاف تذکرے میں رکھو
کیوں برا کہتے ہو پڑوسی کو
اپنے بچوں کو قاعدے میں رکھو
حادثہ رونما نہ ہوجائے
زندگی اپنی ضابطے میں رکھو
کہہ رہا ہے عزیزؔ دیوانہ
بات میری بھی مشورے میں رکھو

صابر کاغذنگری

H.No:1-3-35/B,Sirpur
Kaghaznagar-504296
Mob-9441020768

مبتلائے عذاب ہے دنیا
مائلِ انقلاب ہے دنیا
اہلِ دانش اسے سمجھتے ہیں
اک دوانے کا خواب ہے دنیا
کیا ہے دنیا غریب سے پوچھو
جس کے حق میں عذاب ہے دنیا
روح اس کی ہے گم اندھیروں میں
ظاہری آب و تاب ہے دنیا
ایسی دنیا کہیں نہیں ہوگی
آپ اپنا جواب ہے دنیا
اس کی نیرنگیوں میں مت آنا
خوبصورت سراب ہے دنیا
قول صابر ہے یہ بزرگوں کا
قابلِ اجتناب ہے دنیا

خالد سرحدی

H.No:48 S.No-65.Prabhuda
Nagar.NearAishaNagar.Malegaon

مرے سخن کو خودی کا نشان ہونا ہے
کہ اس سفینے کو اک بادبان ہونا ہے
وطن کی خاک میں مجھ کو پناہ لینی ہے
اسی زمین کو اب آسمان ہونا ہے
دلوں کے بڑھتے ہوئے فاصلوں کو کم کرلو
تمہارے غم کو مری داستان ہونا ہے
وہ دوستوں کا کرم ہو کہ دشمنوں کا ستم
کوئی تو سر پہ میرے سائبان ہونا ہے
تمام شہر ہوا جارہا ہے یخ بستہ
مرے قلم کو شرر کا بیان ہونا ہے
نظر کے سامنے دریا ہے آگ کا خالد
ہمارے عشق کا اب امتحان ہونا ہے

رمیش تنہا

5/1,GoldenPark.MaheshNagar
AmbalaCantt-133001
Haryana.Mob-9996050013

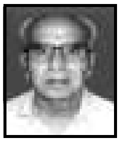

وقت مشکل ہوا گر تو بھی، ہوا آساں تو بھی
آدمی رہتا ہے ہر وقت پریشاں تو بھی
ہو ہی جاتی ہے عیاں طرزِ عمل سے اکثر
بدحواسی نہ ہو رخ سے نمایاں تو بھی
کیوں پڑے ماند خلاؤں کے تجسس کی لگن
سفر آفاق کا مانا کہ ہے پیچاں تو بھی
دامن امید کا ہاتھوں سے نہ چھوٹے ہرگز
کیسے بھی جو نہ ملے درد کا درماں تو بھی
بن کے آسیب تعاقب میں تو ہو سنّاٹا
اور نہ تنہائی ہو راتوں میں ہراساں تو بھی
سکّہ باطل کا چلا میں نے ہجو لکھ ڈالی
میری تحریر ہدف کا بنی ساماں تو بھی
ہر طرف راج ہے شر اور فنا کا تنہا
زخم ماحول ہے اور تم ہو غزل خواں تو بھی

ڈاکٹر یوسف صابر

Editor,Aks-E-Adab
Aurangabad.Mob-9326772575

بچوں کے ذہن میں وہ زہر گھول رہا ہے
رہبر کی طرح دیکھ لو وہ بول رہا ہے
نہ دوستی میں باقی رہا کوئی خلوص اب
نہ پیار وفا کا بھی کوئی مول رہا ہے
انصاف میں بھی پہلا سا اخلاص نہیں ہے
منصف بھی سفارش کو یہاں تول رہا ہے
ممکن ہے کہ یہ آدمی ڈھل جائے کسی میں
اچھا برا تو ہر جگہ ماحول رہا ہے
چہرے پہ ابھر آتی ہیں پھر اس کی لکیریں
کردار میں جس آدمی کے جھول رہا ہے
صابر وہی ہے شعر جو ہر دل میں اتر جائے
محسوس ہو کہ کانوں میں رس گھول رہا ہے

عبرت مچھلی شہری

MohallaKhanzada,P.O:Machhli
Shaher.Jaunpur.Mob-7618034824

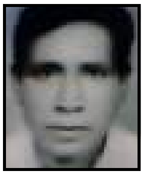

وہ طریقہ وہ سلیقہ وہ قرینہ کیا ہوا
وہ ہمارے باپ دادا کا دفینہ کیا ہوا
جس پہ دانستہ پھسل جاتی تھیں الھڑ گوریاں
گاؤں کے تالاب کا آخر وہ زینہ کیا ہوا
وقت کے دریا میں سب کی کشتیاں خطرے میں ہیں
کس سے پوچھوں میرا کاغذ کا سفینہ کیا ہوا
تیری چاہت کی انگوٹھی پر یہ کس کا نام ہے
جس پہ میں لکھا ہوا تھا وہ نگینہ کیا ہوا
میں نہ کہتا تھا کہ میری تشنگی مجھ سے نہ پوچھ
تیری آنکھوں میں سمندر کیوں حسینہ کیا ہوا
دل کے دروازے پہ عبرت ایک سنّاٹا سا ہے
دستکیں دے کر وہ ساون کا مہینہ کیا ہوا

قاضی سید محی الدین عاجز تاندوروی

Bhusawal

تیر و نشتر کی بات کرتے ہو
کیوں سدا شر کی بات کرتے ہو
ہم وہ پیاسے جو اوس کو ترسے
تم سمندر کی بات کرتے ہو
یہ بھی کوئی طریق ہے یارو
چوک میں گھر کی بات کرتے ہو
عشق، الفت، خلوص، یاری اف
کس زمانے کی بات کرتے ہو
گھر سے فرصت ملی تمھیں عاجز
تم جو باہر کی بات کرتے ہو

شاہنواز انصاری
Moh:Mhetoana.Machlishaher
.Jaunpur(U.P)
Mob-7398506948

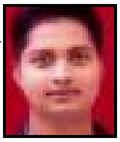

فضول باتوں سے بہتر خموش رہنا ہے
اٹھیں نہ انگلیاں خود پر خموش رہنا ہے
مری تباہی کا قصہ نہ عام ہوجایے
نہ دوش جایے کسی پر خموش رہنا ہے
جنھیں طوالتِ دریا کا کوئی علم نہیں
بنے ہیں آج سمندر خموش رہنا ہے
نہ جانے کتنے ہی اخلاق مارے جائیں گے
عجب ہے شہر کا منظر خموش رہنا ہے
جو چاہتے ہیں رہے اختلاط دنیا میں
تو عیب سب کا چھپا کر خموش رہنا ہے
کسی کو مشورہ کیا دے گا شہنواز اب تو
ہے کس سے کب کوئی کم تر خموش رہنا ہے

عارف محمد عارفؔ
BadiShankarpur.Quraishi
Mohalla.Bhadrak-756100(Odisha)

مزید اپنے لیے اور مشکلات نہ کر
یوں کھینچ تان کے ذرّے کو آفتاب نہ کر
تری زبان سے بالکل بھلی نہیں لگتی
تو میرے سامنے ہرگز وفا کی بات نہ کر
خدا نے ایک بنایا ہے سب کو دنیا میں
بسا لے دل میں سبھوں کو تو ذات پات نہ کر
ہے بار بار اندھیروں کا پھر وہی منظر
مرے خدا تو میری زندگی میں رات نہ کر
محبتوں میں یہ باتیں تو عام ہوتی ہیں
ہمارے بیچ میں ہرگز معاملات نہ کر
یوں ہی تو دہر میں زندہ ہے کب ترا عارفؔ
میرے لہو سے تو رنگین اپنے ہات نہ کر

سید ریحان حسن دسنوی
FlatNo.304 Block-6.Heritage
Estate.DodaballapuraRoad
Yelahanka.Bangalore-560064

خودی کو چھوڑا ہے ہم نے لیکن انا کو اپنی ہوا دیا ہے
الجھ گیا دیں نمائشوں میں خلوص اپنا گنوا دیا ہے
جہاں کی رنگینیوں میں کھو کے گزر رہی ہے یہ زندگانی
فنا کی سرحد بس اک قدم ہے دلوں سے ڈر کیوں مٹا دیا ہے
اسی لیے تو گزر رہی ہے اندھیروں میں اب زندگانی
جو دے رہا تھا اجالا ہم کو چراغ وہ کیوں بجھا دیا ہے
وہ کاروانِ حجاز اک دن اسی طرف سے گزر گیا تھا
جو ریگ صحرا تھی خشک لیکن اسے بھی گلشن بنا دیا ہے
ہمیں بھٹکنے کا کوئی خطرہ رہا نہ باقی جہاں میں یارو
ہمارے رہبر نے آ کے ریحاں نشانِ منزل دکھا دیا ہے

عارفہ رخسانہ
10-11-50,StreetChanwadan
P.O/Dt:Siddipet-502103
Mob-9963090280

تجھ سے نہیں جدا تو میرا اعتبار کر
اے ہم نشیں کچھ اور میرا انتظار کر
گزریں تمام ساعتیں ہجر و فراق میں
کچھ لمحے دوریوں کے بھی تھوڑا شمار کر
ناکامیوں کا شہرہ نہ ہو یوں گلی گلی
جانِ ادا وفا کو نہ یوں بے وقار کر
فرصت ملے تو پوچھ بھی لے حالِ دل کبھی
انجان بن کے یوں نہ مجھے بے قرار کر
مجھ کو پتہ ہے تیری طبیعت کا ہم نشیں
تو بے رخی کے جتنے بہانے ہزار کر
تجھ سے چھپا نہیں ہے میرا حالِ زار بھی
اوروں کے ساز باز پہ نہ انحصار کر
دل میں بسے ہیں عارفہ حسنِ وفا کے رنگ
ہو نہ یقیں تو دیکھ لے دل سے پکار کر

زرتاب غزل
C/O:SyedAliAhmed
65/1,ColootolaStreet.Kolkata-65
Mob-8910834440

رہِ حیات کو آسان کچھ کیا جایے
چلو کہ جینے کا سامان کچھ کیا جایے
دکھائیں آئینہ تنقید کرنے والوں کو
ضروری ہے کہ پشیمان کچھ کیا جایے
فرشتہ بننے کی کوشش ابھی ہے بے معنی
ہر آدمی کو تو انسان کچھ کیا جایے
لہو بھی دے کے وفادار ہم نہ بن پایے
کسی پہ کیسے یہ احسان کچھ کیا جایے
نہ کوئی چاہ، نہ خواہش، نہ ولولہ زرتاب
ہے دل بہت ہی تو ویران کچھ کیا جایے

محمد فرقان فیضی
Brahmapuri.Sarlahi
Nepal.
Mob-9779827647901

جو ہمیشہ اڑتے تھے کھل کے آسمانوں میں
وہ بھی آج بیٹھے ہیں اپنے ہی مکانوں میں
اس قدر کرونا کا خوف دل پہ طاری ہے
سہمے سہمے پنچھی ہیں اپنے آشیانوں میں
وائرس کی صورت میں جو کرونا آیا ہے
کھوج اس کی جاری ہے سب طبیب خانوں میں
اس طرح مقید ہیں اپنے ہی گھروں میں ہم
جیسے قیدی رہتے ہیں اپنے قید خانوں میں
کیسے پرورش ہوگی اب غریب لوگوں کی
تالے ہیں پڑے دیکھو ہر طرف دکانوں میں
فیضی کوئی پوچھے گر اس سے یہ کہوں گا میں
سب سے پیاری اردو ہے دہر کی زبانوں میں

سبطین پروانہ

Dilalpur.Salamari.Kathar
(Bihar)

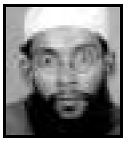

نثر زیادہ ہے شاعری کم ہے
آپ کہتے ہیں چاشنی کم ہے
آبگینہ ہے ٹوٹ جایے گا
''دل کے آنگن میں زندگی کم ہے''
تیل کی پھر انھیں ضرورت ہے
ان چراغوں میں روشنی کم ہے
آج ویرانیاں ہیں گلشن میں
آج پھولوں میں تازگی کم ہے
کیا کریں گے ادب بزرگوں کا
اپنے بچوں میں عاجزی کم ہے
پڑھ رہا ہے سبق ادب کا وہ
اس میں پہلے سے خودسری کم ہے
آج تھوڑا سکون ہے دل کو
آج پروانہ بے کلی کم ہے

محمد ممتاز شعور

QtrNo:R-2,P.W.D Colony
BrooksHill.Sambalpur-768001

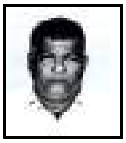

وجہِ سکونِ دل ہو متاعِ نظر ہو تم
ہو کیا سفر کا غم مجھے جب ہم سفر ہو تم
مشکل ہے میرے واسطے کیا نام دوں تمھیں
بے تابیوں کا راز ہو جانِ جگر ہو تم
دنیائے رنگ و نور میں پھر ہوگی زندگی
اس تیرگیٔ شب کی امید سحر ہو تم
خدشہ نہیں کہ اب میری منزل ہو مجھ سے دور
میرے لیے چراغِ سرِ رہگزر ہو تم
کیوں کر نثار تم پہ نہ ہو میری شاعری
حسنِ خیال ہو، رگِ جانِ جگر ہو تم
اپنے قریب پا کے تمہیں کہتا ہے شعور
رب سے جو دعا مانگی تھی اس کا اثر ہو تم

غلام سرور ہاشمی

BasdilaTolaMuriyan
Gopalganj-841428(Bihar)

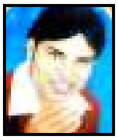

اپنے چہرے کو تبسم سے سجایے رکھنا
دل میں جو درد ہو تم اس کو چھپایے رکھنا
اس کی یادوں کے اجالے سے منور دل ہو
اس کی تصویر کو سینے سے لگایے رکھنا
لوگ ہو جائیں گے تیار نمک پاشی پر
درد چہرے کی لکیروں سے مٹایے رکھنا
ظلمتِ شب میں نہ کھو جایے کہیں اس کی چمک
اپنے کردار کے شیشے کو بچایے رکھنا
آج کے دور میں سرور یہ ضروری ہے بہت
رشتہ ہر حال میں لوگوں سے نبھایے رکھنا

انجینئر کاشف احسن

ExecutiveEngineer(M).Damodar
ValleyCorporation.Bankura(W.B)
Mob-7076312897

جو بزمِ ناز کا شیدا دکھائی دیتا ہے
وہ اپنے آپ میں تنہا دکھائی دیتا ہے
جو دشمنی پہ مری کل تلک تھا آمادہ
وہ آج مجھ کو مسیحا دکھائی دیتا ہے
تمہارے چہرے کے آگے مری نگاہوں میں
فلک کا چاند ادھورا دکھائی دیتا ہے
شبِ فراق کے عالم میں جی رہا ہوں میں
یہ لمحہ لمحہ بھی ڈستا دکھائی دیتا ہے
طویل ہونے لگیں انتظار کی گھڑیاں
یہ وقت کیوں مجھے ٹھہرا دکھائی دیتا ہے
ہجومِ شہر میں رہ کر بھی آج کل احسن
ہر ایک شخص اکیلا دکھائی دیتا ہے

صبیحہ صدف

Raisen(M.P)

بات جب گوشۂ جذبات میں آجاتی ہے
اک تڑپ خود ہی بیانات میں آجاتی ہے
جب ترے لمس کا احساس مجھے ہوتا ہے
ایک خوشبو سی مضافات میں آجاتی ہے
دفعتاً پوچھے جو مجھ سے کوئی ماضی میرا
تشنگی اب بھی جوابات میں آجاتی ہے
روٹھنا ہم سے عبث روٹھ کے جانا تیرا
یہ روش طرزِ مکافات میں آجاتی ہے
کتنی معصوم ہے، نادان ہے بھولی لڑکی
دھوکہ کھا کر بھی تری بات میں آجاتی ہے
ذہن و دل ایک ہی مرکز پہ جو آجائیں صدف
زندگی بھی نئے حالات میں آجاتی ہے

سمیع احمد ثمر

C/O:Md.SaghirAnsari.ShriRampur
P.O:Mahammadpur
Saran-841223(Bihar)

جب سے آنکھوں میں کوئی خواب حسیں رکھا ہے
اس کی تعبیر کا تحفہ بھی کہیں رکھا ہے
جس کی فطرت ہے سدا لوگوں کو دھوکہ دینا
کیوں اسے آپ نے پھر اپنا بنا رکھا ہے
سب کو دیتا ہوں محبت کا حسیں گلدستہ
جذبہ نفرت کا کبھی دل میں نہیں رکھا ہے
جستجو کرتا ہوں اس کی میں بڑی مدت سے
وہ خزانہ جو کہیں زیر زمیں رکھا ہے
شہرِ جاں میں ہے اجالا یہ انھیں سے اے ثمر
دل کے خانے میں جنھیں میں نے بسا رکھا ہے

کتابوں کے شہر میں
(تبصرے کے لئے دو کاپیوں کا آنا ضروری ہے)

اگر اپنی کتابوں کا اشتہار بھی دیں تو تبصرہ ترجیحی بنیاد پر جلد شائع کیا جائے گا۔ایک صفحے کے اشتہار کی شرح ایک ہزار روپے ہے۔تبصرے کے لئے کافی کتابیں جمع ہوچکی ہیں۔ان پر تبصرہ ترتیب وار شائع ہوتا رہے گا۔(ادارہ)

کتاب کا نام: مژدۂ رحمت (نعتیہ انتخاب)

مرتب: سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی مبصر: سعید رحمانی

آستانۂ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف سے منسلک سبھی شخصیتیں دینی علوم کے ساتھ ساتھ شعر وادب میں بھی اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔انھیں شخصیتوں میں حضرت سید نور الحسن نور نوابی عزیزی کو ان معنوں میں اختصاص حاصل ہے کہ وہ دینی حیثیت سے جس قدر مقبول ہیں اسی طرح شعر وادب کے باب میں بھی قبولِ عام کا درجہ رکھتے ہیں۔ بالخصوص نعتیہ شاعری میں ان کی بصیرت و بصارت کے جو چراغ روشن ہیں ان کی روشنی سے پوری اردو دنیا منور اور تابناک نظر آتی ہے۔نعت ومناقب اور مضامین پر ان کے درجن بھر سے زائد مجموعے منظرِ عام پر آکر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ ان کا مرتب کردہ ہے جس میں سخنوارانِ سلسلۂ نوابیہ عزیزیہ کی نعتیہ شاعری کا انتخاب شامل ہے۔اس میں کل آٹھ شعرا کے گیارہ گیارہ نعوتِ پاک کو جگہ دی گئی ہے۔ساتھ ہی ان شعرا کا مختصر سوانحی خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے تاکہ ان کے شاعرانہ پس منظر سے قاری آشنا ہوسکے۔

اس میں شامل نعوتِ پاک کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سبھی شعرا سیرتِ طیبہ اور تاریخ اسلام کا نہ صرف گہرا علم رکھتے ہیں بلکہ شاعری کے اسرار و رموز سے بھی بخوبی آشنا ہیں۔ان نعتوں میں لفظوں کا دروبست، تلمیحات کا برملا استعمال اور شعریت کی چاشنی قاری کو ایک نئے ذائقے سے روشناس کراتی ہے۔جن شعرا کا انتخاب شامل ہے ان کے اسمائے گرامی ہیں: حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ نوابی، حضرت سید نور الحسن نور نوابی عزیزی، سید مجیب الحسن نوابی، شیخ محمد الیاس انجم نوابی، یاور وارثی عزیزی نوابی، حبیب احمد سرور، کفیل احمد عزیزی نوابی اور شمائلہ صدف عزیزی نوابی۔ان سبھی حضرات کا ایک ایک شعر بھی نموتاً پیش ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

تری رحمتوں کی شمعیں سرِ عام جل رہی ہیں
ترا تذکرہ جہاں میں سرِ عام چل رہا ہے
(سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی)

طائرِ فکر مدینے میں پہنچ کر اکثر
دیکھتا ہے کبھی دیوار کبھی چھت ان کی
(سید مجیب الحسن)

آکر درِ رسول پہ آنکھیں ہیں اشکبار
آہی گیا قرار دلِ بے قرار کو
(شیخ محمد الیاس انجم)

سرکار کی نگاہِ کرم کے حصار میں
جوئے سبک خرام ہو میں اور میرا گھر
(یاور وارثی)

دشمن و دوست سبھی پر نوازش یکساں
کون سرکار سا اخلاق سراپا ہوگا
(حبیب احمد سرور)

اسمِ اعظم ہے میرے واسطے اسمِ احمدؐ
دور اس سے مرا ہر ایک الم ہوتا ہے
(کفیل احمد کفیل)

یہ بات آج بھی مجھ کو بہت ستاتی ہے
نبیؐ کے شہر سے واپس میں کیوں چلی آئی
(شمائلہ صدف)

ان حضرات کی نعتیہ شاعری کے تعلق سے اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ ان سبھی نعتوں میں عشقِ رسول کی سرشارانہ کیفیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ ان شعرا نے اپنی نعتیہ شاعری کے ذریعہ قریۂ عشق رسول میں متاعِ درد لٹانے کی کامیاب کوشش کی ہے جس کے لیے ناچیز انھیں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔

خوبصورت سرورق، عمدہ طباعت اور دبیز کاغذ کے ساتھ ۱۳۲؍صفحات پر مشتمل اس مجموعے کی قیمت ہے ۱۵۰؍روپے اور ملنے کا پتہ ہے:
آستانۂ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف۔ پوسٹ ہسوہ۔۲۱۲۶۵۳(یوپی)

کتاب کا نام: اجلی مسکراہٹ (افسانے)

افسانہ نگار: علیم صبا نویدی ☆ مبصر: عبدالمتین جامی

اردو کے مشہور و معروف شاعر، ادیب، محقق اور افسانہ نگار علیم صبا نویدی کا یہ تازہ ترین مجموعہ مختصر افسانوں پر مشتمل ہے۔نقشِ اول کے تحت بعنوان "تمل ناڈو میں افسانہ نگاری کا جائزہ" میں رقمطراز ہیں کہ یہاں مختلف ادوار میں شعر و شاعری کے ساتھ ساتھ افسانہ نویسی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔موصوف دکن کے

متعدد نثر نگاروں پر اب تک پچاسوں کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ تمل ناڈو کی افسانہ نگاری کا ایک مختصر سا جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ اس مجموعے کے تعلق سے کاظم نائطی، پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر یوسف سرمست اور پروفیسر عظیم الرحمٰن صدیقی جیسے مشاہیر ادب کی گرانقدر آرا بھی شامل ہیں۔

نقشِ دوم میں پروفیسر صغیر ابراہیم، محترمہ قمر جمالی، نور الحسنین، نثار راہی، دیپک بدکی اور ڈاکٹر صفیہ سلطانہ کے تاثراتی مضامین شامل ہیں جن سے علیم صبا نویدی کی افسانہ نگاری میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب کے آخر میں علیم صبا نویدی نے اردو افسانوں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر کے ریسرچ اسکالروں کے لیے مشعلِ راہ کا کام کیا ہے۔

بابِ اول میں کل دس افسانے شامل ہیں۔ بابِ دوم میں ان افسانوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگرچہ ان افسانوں کو مختصر ترین بتایا ہے لیکن یہ افسانے پورے صفحے کو محیط ہیں۔ اب تو یہ حال ہے کہ آج کل دو تین سطروں کے افسانے بھی لکھے جارہے ہیں۔ مگر علیم صبا نویدی نے لفظوں کے انتخاب میں اجتہادی رویہ اختیار کرتے ہوئے ایسے ایسے جملوں کا اختراع کیا ہے جو تاثر پذیری کے حامل کہے جاسکتے ہیں۔ مثالاً یہ جملے ملاحظہ فرمائیں:

''آج سے دس سال پہلے میرے گھر کی شکستہ چھت میں بے شمار سوراخوں کی فوج تھی......میرے گھر کا کوئی فرد یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجروح چھت پر نئے ارمانوں کا پھاہا رکھے کیونکہ اب چھت کے سوراخوں سے جھانکنے والی روشنی نے بجلی کی ضرورت کو بے سود ثابت کر دیا تھا (افسانہ سوراخ سے دہلیز تک)

''نہ جانے کیوں میں اکثر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ ساری دنیا ایک جیل ہے، سڑی لاشوں کی تلاش میں سرگرمِ سفر ہے'' (افسانہ جیل)

مختصراً کہا جائے تو ان افسانوں میں احساسِ شکست خوردگی کے ساتھ ساتھ تعمیری پیغام بھی دینے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ ان افسانوں میں سمندر کا پھوڑا، تازہ تازہ لہو وردی، کہانی کا قتل، سفر در سفر، انوکھی تلاش قابلِ ذکر ہیں۔ ان افسانوں کو پڑھ کر قاری ایک کسک سی محسوس کرتا ہے اور خود کو افسانوں کے کرداروں کے درمیان چلتا پھرتا محسوس کرتا ہے۔ امید ہے کہ جس طرح ان کی شعری و نثری تخلیقات کو قبولیت عام کا درجہ حاصل ہے یہ افسانے بھی اسی طرح یقیناً سراہے جائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ البتہ قیمت عام قاری کی پہنچ سے باہر لگتی ہے۔ مگر نویدی صاحب قیمت کی پرواہ کب کرتے ہیں۔ کتابوں کو مفت تقسیم کرنا ان کی عادت جو ٹھہری۔

۱۸۴ر صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ہے ۱۸۴ر روپے اور ملنے کا پتہ ہے: علیم صبا نویدی۔ نمبر۔ ۲۶۶ر، ٹرپلیکین روڈ۔ چنئی۔ 600005

کتاب کا نام: علیم صبا نویدی کے خطوط (مدیروں کے نام)

مرتبہ: ڈاکٹر جاویدہ حبیب ☆ مبصر: عبدالمتین جامی

آج کے معروف ادیب و شاعر علیم صبا نویدی اپنی زندگی میں اب تک سیکڑوں خطوط لکھ چکے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعے میں وہ خطوط شامل ہیں جن کو انھوں نے مختلف مدیرانِ رسائل کے نام لکھا ہے۔ ۲۰۰۵ء سے ۲۰۱۹ء کے درمیان لکھے گئے خطوط اس مجموعے میں شامل ہیں۔ ان کی صاحبزادی ڈاکٹر جاویدہ حبیب نے ان خطوط کو کتابی شکل دے کر ایک مستحسن کارنامہ انجام دیا ہے کیونکہ یہ خطوط ایسی دستاویز ہیں جس سے اردو صحافت کے شب و روز اور اس کے ارتقائی سفر کی ایک دلچسپ داستان سے آشنائی ہو سکتی ہے۔ اس کارِ لائقہ کے لیے موصوفہ بجا طور پر مبارکباد کی مستحق ہیں۔ جن مدیرانِ رسائل کو یہ خط لکھے گئے ہیں ان کے نام ہیں: اردو دنیا، سب رس، انوارِ تخلیق، افقِ ادب، زبان و ادب، ایوانِ اردو، سرسبز، نگینہ انٹر نیشنل، انتساب، رنگ، اردو آنگن، بیباک، فروغِ ادب، استفسار، عالمی زبان، تخلیق و تحقیق، خواتین کی دنیا، گلبن، لفظ لفظ، بھاشا سنگم، ادبی محاذ، کاروانِ ادب، پیش رفت، موجِ اردو، فنکار، اریب، ادیب، صبحِ اردو، جہاں نما، عالمی میراث، جمناٹٹ، صورت ریختہ، نامۂ زرّیں، شعاعیں، عکسِ ادب، سفیرِ ادب وغیرہ۔

ان خطوط میں جہاں انھوں نے رسائل پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے وہیں ان رسائل کو خوب سے خوب تر بنانے کا مشورہ بھی دیا ہے۔ ناچیز کے خیال میں یہ خطوط بلاشبہہ مراسلہ نگاری کی تاریخ میں ایک گرانقدر اضافہ ہیں۔ اس طرح ان خطوط کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے رسالے ادبی محاذ کو بھی انھوں نے درجنوں خطوط لکھے ہیں اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا ہے۔

یہ کتاب بلاشبہہ دستاویزی حیثیت کی حامل ہے جس سے ہر دور میں محققین اور ریسرچ اسکالرس اکتسابِ فیض کرتے رہیں گے۔ ۲۷۲ر صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۵۰۰ر روپے ہے جسے درج ذیل پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے: علیم صبا نویدی۔ نمبر۔ ۲۶۶ر، ٹرپلیکین روڈ۔ چنئی۔ 600005

کتاب کا نام: گلدستۂ تحقیق و تجزیہ (تحقیق)

مصنف: ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی مبصر: عبدالمتین جامی

زیرِ نظر کتاب تحقیق و تجزیہ کے باب میں ایک منفرد تخلیق ہے۔ ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی کبھی کبھار ایسا کارنامہ انجام دے جاتے ہیں جسے دیکھ کر یا سن کر حیرت ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ پُرسکون جھیل میں جس طرح پتھر اچھال دیں تو ایک ہیجان پیدا ہونے لگتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ڈاکٹر صاحب ایسی تخلیق پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں جو دیر تک توجہ کا محور بنی رہتی ہے۔ اس ضمن میں ان کی کچھ کتابوں کا نام لیا جاسکتا ہے۔ وہ کتابیں ہیں گلہائے رنگا رنگ (ہندو، مسلم، سکھ عیسائی شعرا کی منتخب منظومات کا مجموعہ)، رسالۂ خواتین، عکس بر عکس (متضاد الفاظ

کے حامل دو ہزار دو سو بیس غزلیہ اشعار کا انتخاب)‘ گلدستہ در گلدستہ (چار جلدوں میں ۶۰/عنوانات کے ساتھ ڈھائی تا تین ہزار غزلیہ اشعار (۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۴ء)۔ اس کے علاوہ ادبی اور معلوماتی پہیلیاں‘ آگ اور پانی (متضاد الفاظ کے تعلق سے کل چھیانوے جوڑوں پر دو ہزار چھ سو بتیس غزلیہ اشعار)‘ گنجینۂ رباعیات (ڈھائی سو شعرا کی ڈھائی سو رباعیات بیت بازی کا اولان و دیوان)‘ ہندی داں حضرات کو اردو سکھانے والی کتاب (دو ایڈیشن)۔ گلدستہ در گلدستہ کی پانچویں جلد زیرِ طبع ہے۔ بچوں کے لیے ان کا ایک کتابچہ ’’جانوروں سے ملاقات‘‘ شائع ہو کر بچوں اور بوڑھوں میں یکساں مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔

بچوں کا ایک رسالہ باغیچہ جسے یوپی اردو اکادمی شائع کرتی ہے موصوف اس کے انتظامی مدیر کی حیثیت سے کچھ برسوں تک خدمات انجام دے چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر شمیم ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ بذلہ سنجی اور حاضر جوابی میں بھی انھیں ملکہ حاصل ہے۔ فرائضِ منصبی سے سبکدوشی کے بعد ان کا تخلیقی مشغلہ تیز رفتاری سے چلنے لگا ہے جو ہنوز اس کبر سنی میں بھی جاری و ساری ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ موصوف کے تحقیقی اور تجزیاتی مضامین کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں تخلیقیت کے گلہائے رنگارنگ کو بڑے سلیقے سے سجا دیا گیا ہے۔ یہ سبھی مضامین موصوف کی تخلیقی بصیرت کے آئینہ دار ہیں۔

کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں تبصراتی اور تجزیاتی مضامین ہیں‘ باب دوم میں تحقیقی‘ باب سوم میں تبصراتی اور باب چہارم میں شخصیاتی مضامین ہیں۔ ان کا پہلا مضمون ’’ام مشتاق پروین کا دیوان اور غزلیہ کلام‘‘ ایک ایسا دقیق مضمون ہے جسے لکھنے میں موصوف نے ڈھیروں پسینہ بہایا ہوگا۔ انھیں دارالعلوم ندوۃ العلما کی لائبریری میں مشتاق پروین کی ایک کتاب کے مطالعہ کا موقع ملا تھا جس سے مصنفہ کے حالاتِ زندگی کا انھیں علم ہوا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی ایک صدی قبل خواتین کی مشاعروں میں شرکت معیوب سمجھی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ رسائل میں ان کی تخلیقات کو بھی جگہ نہیں دی جاتی تھی۔ غزل کی بات تو دور کی ہے نعت یا منقبت تک کی اشاعت ممکن نہ تھی۔۔ اسی سبب سے مشتاق پروین اپنے گھر ہی میں مشقِ سخن کرتی رہی تھیں۔ ڈاکٹر شمیم صاحب نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر اس عہد میں سماجی جکڑ بندیاں نہ ہوتیں تو اس عہد کی خواتین میں بھی اساتذہ سے آنکھ ملانے کی جرأت ہو سکتی تھی۔

انھوں نے ۱۸۵۷ء کی ایک شاعرہ سعید النسا حرماں خیر آبادی کا تذکرہ کیا ہے جو علامہ فضلِ حق خیر آبادی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شاعری بڑی عمدہ ہوتی تھی۔ ایک دوسری شاعرہ نواب بیگم حجاب لکھنوی کا ذکر بھی کیا ہے جو نواب واجد علی شاہ کی منکوحہ تھیں۔ ان کے فارسی کے دو دیوان شائع ہوئے تھے۔ اور بھی متعدد شاعرات کے تذکروں سے یہ کتاب مزین ہے۔

یہ سبھی مضامین مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں جنھیں یکجا کر کے موصوف نے کتابی شکل دے کر اردو قارئین کے لیے ایک ایسا گلدستہ پیش کر دیا ہے جو شعر ادب کی مختلف جہات سے آشنا کراتا ہے۔ اس کتاب کی افادیت کے پیشِ نظر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اہلِ ادب اس کا خوشدلی سے استقبال کریں گے۔ اس کی قیمت صرف ۱۵۰/روپے ہے جو جیب پر گراں نہیں گزرے گی۔ ذیل کے پتے سے اسے حاصل کیا جا سکتا ہے:

ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی۔ C-2 نسیم منزل۔ مدح گنج پولیس چوکی۔ سیتا پور روڈ لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۲۰

کتاب کا نام: نمودِ سبز (شعری مجموعہ)

شاعر: ظفر اقبال ظفر — مبصر: سعید رحمانی

ظفر اقبال ظفر ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں جنھوں نے شعر و ادب‘ فکشن اور صحافت کے میدان میں نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے۔ ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۶۷ء سے کیا۔ شعری سفر ۱۹۸۲ء سے جاری ہے۔ پھر صحافت کے میدان میں بھی آئے۔ آب و رنگ کانپور اور ادبی ڈائجسٹ فتح پور کی ادارت سنبھالی اور ان دونوں رسالوں کو عروجِ بام تک پہنچایا۔ فی الحال ایک رسالہ ’’آداب‘‘ ان کی سرپرستی میں شائع ہو رہا ہے۔ فتح پور کی مختلف ادبی انجمنوں سے بھی جڑے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی تخلیقی مشغلہ بھی جاری ہے۔ ان کا شعری سفر تقریباً تین دہائیوں کو محیط ہے۔ اس دوران وہ چاہتے تو متعدد مجموعے شائع کر سکتے تھے مگر ذاتی مسائل اور گھریلو الجھنوں میں گھرے رہنے کے سبب اس جانب توجہ نہیں دے پائے۔ بہر حال مخلص دوست و احباب کے مسلسل اصرار پر وہ اپنا اولین مجموعہ لے کر بڑی تاخیر سے ہمارے سامنے آئے ہیں۔ اس پر اظہار خیال سے پہلے یہ بتا دوں کہ اپنی شاعری کے تعلق سے موصوف کا کیا نظریہ ہے؟ ایک جگہ رقمطراز ہیں: ’’میرے اشعار احساسات و جذبات کے ترجمان ہیں۔ جو میری فکر اور مشاہدے میں آیا اسے اپنی استعداد کے مطابق شعری پیکر میں ڈھال دیا۔ اسلوب کی تازگی اور عصری حسیت اور اسلوب کے تقاضوں کو کہاں تک پورا کیا ہے اسے آپ کی بالغ نظری ہی سمجھ سکتی ہے‘‘۔

زیرِ نظر مجموعے میں شامل غزلوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ظفر اقبال صاحب کی شاعری نہ صرف عصری حسیت سے ہمکنار ہے بلکہ اس میں ان کی بصیرت و بصارت کے چراغ بھی روشن نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری بظاہر فردِ واحد کے دلِ دردمند کی ترجمانی کرتی نظر آتی ہے مگر اس کا بغور مطالعہ کریں تو اس میں ہر حساس انسان کے دل کی دھڑکنیں سنی جا سکتی ہیں۔ انھوں نے اس طرح ذاتی مشاہدات کی تعمیم کی ہے کہ شاعری کو ہمہ گیریت اور سماجی معنویت کا درجہ مل گیا ہے۔ اس میں تنوع اور تازگی بھی ہے اور ساتھ ہی داخلیت سے خارجیت کا سفر کرتے ہوئے عصرِ حاضر کا اشاریہ بن گئی ہے۔ زبان کی سلاست و شگفتگی کے ساتھ ساتھ

شعریت کی چاشنی بھی ہے اور جمالیات کی شبنمی ٹھنڈک کا احساس بھی دلاتی ہے۔

ملے جلے موضوعات پر ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

چاند، جگنو، پھول، خوشبو، استعارے مسترد
سامنے ہوں وہ جو سارے استعارے مسترد

مصلوب کر کے مجھ کو سبھی مطمئن ہوئے
جیسے کہ شہر بھر میں گنہگار میں ہی تھا

تمام زندگی ہم حادثوں کے بیچ رہے
بدن پہ تیر سجائے کمان اوڑھے ہوئے

یہ شہر مرا ہے کہ ہے آشوب کی بستی۔ انسانوں میں اب بوئے وفا تک نہیں آتی

ہر ایک شخص ہی اندر سے ٹوٹا پھوٹا ہے۔ ہمارے شہر میں اب انقلاب اترے گا

مجموعی طور پر یہ شاعری ہمیں ٹھہر کر پڑھنے کا تقاضا کرتی ہے۔ ان غزلوں کو آپ روند کر گزر نہیں سکتے۔ مزید یہ کہ غزلوں سے ان کے باطن کی سیاحت کی جا سکتی ہے جہاں اتر کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ غزلیں درونِ ذات سے بیرونِ ذات تک محوِ سفر ہیں۔ امید کی جا سکتی ہے کہ یہ خوبصورت مجموعہ اہلِ ذوق کی توجہ کا مرکز بنے گا۔ دلکش ڈسٹ کور، دبیز کاغذ اور عمدہ طباعت کے ساتھ اس کی قیمت ۳۰۰؍روپے ہے جسے مندرجہ ذیل پتے سے حاصل کیا جا سکتا ہے:

بک امپوریم۔ اردو بازار۔ سبزی باغ۔ پٹنہ۔4

کتاب کا نام: بارِ گراں (شعری مجموعہ)

شاعر: بدنام نظر　　مبصر: عبدالمتین جامی

عصری منظر نامہ میں بدنام نظر اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری آج کے سماجی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی سطح پر در آئی ناہمواریوں کا واضح پس منظر پیش کرتی نظر آتی ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ ان کی دوسری پیش کش ہے۔ اس کے قبل ان کا اولین مجموعہ ''نزول'' منظرِ عام پر آ کر پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ زیرِ نظر مجموعے میں ۵۹؍نظمیں اور ۵۱؍غزلیں شامل ہیں۔ کتاب کی ابتدا میں ''سب کچھ تو ہے'' کے تحت انھوں نے چند اہم باتوں کا تذکرہ کر کے قاری کے خیالات کو انگیز کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اردو کی چند گراں قدر ہستیوں کے سانحۂ ارتحال پر اپنے دلی کرب کا اظہار کرتے ان کی تحریر بلاشبہہ ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے۔ زندگی میں عزت و شہرت پانے والے لوگوں کی حالت ان کے مرنے کے بعد کیا ہوتی ہے، بدنام نظر صاحب نے اسے اس طرح حیطۂ تحریر میں لایا ہے:

''میری آنکھوں کے آگے کئی چہرے ڈوبنے ابھرنے لگے۔ بانی، زیب غوری، عمیق حنفی، وکیل اختر، پرویز شاہدی، مصور سبزواری، عین رشید اور نہ جانے کتنے دوسرے چہرے، جنھوں نے اردو شاعری کو نئی سوچ اور نئی سمتوں سے متعارف کروایا کتنا کام ہوا ان کی تخلیقات p؍ کتنے مضامین لکھے گئے، کتنے نمبر شائع کیے گئے؟ بس فوری طور پر کچھ تعزیتی نشستیں ہوئیں، جانے والوں کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔ کچھ زیادہ ہوا تو ایک آدھ مضمون کسی رسالے میں شائع ہو گیا''۔

ظاہر ہے ان تاسف بھرے کلمات کو پڑھنے کے بعد کوئی بھی حساس انسان اس طرح کے عمل سے رنجیدہ خاطر ہو سکتا ہے۔ لگتا ہے بدنام نظر صاحب انھیں باتوں کے پیشِ نظر صرف دو مجموعے شائع کر کے رکے ہوئے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں ان کے بعد لوگ انھیں جلد ہی بھول جائیں گے۔ ان کے دونوں مجموعوں میں جو بات قدرِ مشترک نظر آتی ہے وہ ہے دلی کرب اور انسان کی بے حسی کا نوحہ۔

کتاب میں شامل سبھی نظمیں آزاد یا نثری فارم میں ہیں۔ ان کی ایک نظم ہے ''ایک پرانا منظر''۔ اس کی چند سطریں ملاحظہ فرمائیں:

سمندر زور پر آیا ہو رپاتال میں طوفاں ؍گردش میں دھرتی چاند

بظاہر یہ یہ منظر کشی ہے لیکن شاعر نے اس کے ذریعہ رونما ہونے والی ہولناکیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آخری بند اس طرح ہے:

گردش میں دھرتی چاند تحفظِ جسم و جان کا مسئلہ ہے

جدیدیت کے زیرِ اثر کہی گئی ایک نظم آج بھی عصری معنویت سے ہمکنار لگتی ہے جو صرف پانچ سطروں کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

لغت سے الفاظ کو چراؤں ؍کوئی محبت کا گیت بن کر
پہاڑی جھرنے پہ گنگناؤں
مگر یہاں سے وہاں تک
آگہی کا ایک دودھیا کفن ہے

ان کی بیشتر نظمیں انسانی دکھ درد، حزن و ملال، یاس و حسرت اور گردشِ زمانہ کا نوحہ کرتی نظر آتی ہیں اور ان کا یہ کربِ ذات، کربِ کائنات کا اظہاریہ بن جاتا ہے۔ آج کی دنیا میں پہلے کی طرح سکون و اطمینان کہاں؟ آج کا انسان ایک ایسے دور میں سانس لے رہا ہے جس میں انتشار ہی انتشار ہے۔ انسان چاند پر کمندیں ڈال رہا ہے مگر زمین پر بسنے والوں کی حالت دگرگوں ہو رہی ہے۔ انسانی قدریں پامال ہو رہی ہیں۔ بھوک اور افلاس کا غلبہ آج بھی ہے۔ ایسے پس منظر میں لکھی گئی یہ نظمیں شاعر کی عصری حسیت اور اس کے انسانی جذبات کی آئینہ دار ہیں۔

بدنام نظر کی غزلیں بھی عصری حسیت سے مملو نظر آتی ہیں۔ مگر اس مختصر سے تبصرہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان کا جائزہ پیش کروں۔ پھر کبھی سہی۔ بہر حال یہ کہنے میں باک نہیں کہ بدنام نظر صاحب کی شاعری انسانی جذبوں، اس کے دکھ سکھ اور مجروح جذبات و احساسات کا بلیغ اشاریہ ہے اور تاثر پذیری کی حامل بھی۔ مجھے پوری امید کہ اس مجموعے کا خوشدلی سے استقبال کیا جائے گا۔ ۱۲۷؍صفحات پر مشتمل اس مجموعے کی قیمت ہے ۱۱۴؍روپے جسے مندرجہ ذیل پتے سے حاصل کیا جا سکتا ہے:

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔ ۳۱۹۱؍وکیل اسٹریٹ۔ کوچہ پنڈت۔ لال کنواں۔ دہلی۔6

کتاب کا نام: انشائیہ شناسی (مضامین)

مرتب: محمد اسداللہ مبصر: عبدالمتین جامی

محمد اسداللہ ایک صاحب طرزِ انشائیہ نگار ہیں اور ان کے انشائیے بڑے ہی فکر انگیز ہوتے ہیں۔ انشائیہ کی اس دلچسپی کو برقرار رکھتے ہوئے انھوں نے زیرِ نظر کتاب ترتیب دی ہے جس میں تقریباً ۱۳؍انشائیہ نگاروں کی تخلیقات شامل ہیں اور آخر میں مشاہیرِ ادب کی آرا پیش کی گئی ہیں۔ اس کے قبل تحقیقی اور تنقیدی نوعیت کے دو مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ ایک کا نام ہے ''یہ ہے انشائیہ'' اور دوسرے کا نام ہے ''بوڑھے کے رول میں ڈبل رول''۔ کتاب کی ابتدا میں کے کے کھلر کی تحریر سے اسداللہ صاحب کی انشائیہ نگاری میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ پاکستان میں جس طرح ڈاکٹر وزیر آغا اور ڈاکٹر انور سدید نے انشائیہ نگاری کے فروغ میں اہم رول ادا کیا ہے اسداللہ صاحب بھی اسی طرح ہندستان میں اس صنف کو مقبول بنانے میں اہم رول ادا کررہے ہیں۔

اس میں جن ۱۳؍انشائیہ نگاروں کی تخلیقات شامل ہیں ان کے اسمائے گرامی ہیں: پروفیسر احتشام اختر، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر سید محمد حسنین، ڈاکٹر آدم شیخ، مشکور حسین یاد، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش، جمیل آذر، راجا محمد ریاض الرحمٰن، اکبر حمیدی، ڈاکٹر محمد اسداللہ اور ڈاکٹر بشیر سیفی۔

یہاں بتاتا چلوں کہ اس صنف کے تعلق سے عام قاری کا ذہن اب تک صاف نہیں ہوا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مزاحیہ مضمون کو انشائیہ کہا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت میں یہ دو الگ الگ اصناف ہیں۔

انگریزی میں انشائیہ کو Light Esay کہا جاتا ہے۔ یہ فن ایسا ہے کہ کسی چیز کو ایک الگ زاویئے سے دیکھتے ہیں۔ اسداللہ صاحب نے اسے سمجھانے کے لیے ایک مثال پیش کی ہے۔ مثلاً ایک آدمی سمندر کے ساحل پر سیدھا کھڑا ہوکر دیکھے تو اسے سمندر کی موجیں اور ان پر تیرتی ہوئی کشتیاں اصل حالت میں نظر آئیں گی۔ لیکن جب کوئی شخص سمندر کی طرف پیٹھ کرکے جھک کر اپنی ٹانگوں کے درمیان سے دیکھے تو اسے بالکل الگ قسم کا نظارہ دیکھنے کو ملے گا۔ وزیر آغا اپنے ایک مضمون ''انشائیہ کیا ہے؟'' میں رقمطراز ہیں: ''ایک چیز جو انشائیہ کو دوسری اصناف سے ممیّز کرتی ہے اس کا غیر رسمی طریقۂ کار ہے۔ دراصل انشائیہ کے خالق کے پیشِ نظر کوئی ایسا مقصد نہیں ہوتا جس کی تکمیل کے لیے وہ دلائل و براہین سے کام لے اور ناظر کے ذہن میں ردوقبول کے میلانات کو تحریک دینے کی سعی کرے۔ اس کا کام محض یہ ہے کہ چند لمحوں کے لیے زندگی کی سنجیدگی اور گہما گہمی سے قطع نظر کرکے ایک غیر رسمی طریق کار اختیار کرے اور اپنے شخصی ردِعمل کے اظہار سے ناظر کو اپنے حلقۂ احباب میں شامل کرے''۔

اس تحریر سے میں سمجھتا ہوں کہ عام قاری انشائیہ کی صفت سے بخوبی آشنا ہوسکتا ہے۔ بہرحال اسداللہ صاحب کی یہ کاوش بہرطور لائقِ تحسین ہے۔ انھوں نے معتبر قلمکاروں کے اتنے سارے انشائیوں کو کتابی شکل دے کر ایک مستحسن کارنامہ انجام دیا ہے۔ انشائیہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ ایک بیش قیمت تحفہ ثابت ہوسکتا ہے۔ مجھے امید ہے اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ ۲۴۰؍صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ہے ۳۴۳؍روپے اور ملنے کا پتہ ہے:

محمد اسداللہ۔ ۳۰؍گلستان کالونی۔ جعفر نگر۔ ناگپور۔ ۴۴۰۰۱۳

☆☆☆

محمد نوشاد نورنگ

102,RaushanKIranApartment
1-RaviNagar.KhazranaRoad
IDORE-452018(M.P)

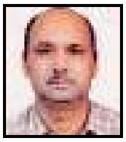

چمن کی ٹوٹی اک ڈالی جو بجلی کا نشانہ ہے
اسی ٹوٹی ہوئی ڈالی پہ میرا آشیانہ ہے
ہمیشہ بُنتا رہتا ہوں میں چادر زندگانی کی
مری فکرِ حسیں کے گرد میرا تانابانا ہے
رگڑ کر ایڑھیاں، گھس کر جبیں دنیا میں جیتا ہوں
ہے پیشانی لہو ایڑھی پھپھولوں کا ٹھکانہ ہے
ہمیشہ کھویا رہتا ہوں تلاشِ آب و دانہ میں
مجھے جو دیکھتا ہے، وہ یہ کہتا ہے دوانہ ہے
نہیں اب چھوڑتا دہقاں کوئی بھی کھیت میں خوشہ
کہ اب ہم خوشہ چینوں کو فقط پنچھی کا دانہ ہے
ڈھلے سازوں میں نوحے اور بندھی لے میں تری آہیں
کہ نورنگ سب سے میٹھا باغ میں تیرا ترانہ ہے

ادب پیما
(ادبی، تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیاں)

پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کو ایک ساتھ چھ ایوارڈ

کرونا وائرس پر پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کی تین کتابوں کی اشاعت کے پیش نظر فرینڈشپ فورم آف انڈیا، دہلی نے گزشتہ ماہ انھیں ''مدر ٹریسا فاؤنڈیشن ایوارڈ'' دیا تھا۔ ۳۰/اگست ۲۰۲۰ء کو دہلی کے ایک پروگرام میں انھیں مزید نوازے جانے کی بشارت تھی، لیکن پروفیسر ہرگانوی دہلی نہیں جاسکے۔ ان کی مجموعی خدمات پر مذکورہ ادارہ نے بیک وقت مزید چھ ایوارڈ سے انھیں نوازا ہے:

۱- جیول آف ایشیا ایوارڈ (Jewel of Asia Award)

۲- بھارت کا گورو ایوارڈ (Bharat ka Gaurav Award)

۳- بیسٹ انڈین گولڈن پرسنالٹیز ایوارڈ (Best Indian Golden Personalities Award)

۴- انڈین آئی کون آف دی ایئر ایوارڈ (Indian Icon of the Year Award)

۵- راجیو گاندھی یونٹی ایوارڈ (Rajiv Gandhi Unity Award)

۶- منا سیوا ایوارڈ (Mana Seva Award)

ادبی اور تعلیمی میدان میں پروفیسر مناظر عاشق صاحب کی خدمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے ۳۵ سال تک یونی ورسٹی کے طالب علموں کو پڑھایا ہے اور آج بھی وقت دے رہے ہیں۔ ابھی تک ان کی ۲۵۸ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور ان پر ۵۸ کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ وہ ۱۹۷۸ء سے ادبی رسالہ ''کوہسار جرنل'' شائع کررہے ہیں، جس کے (۱۸۰) شمارے منظر عام پر آچکے ہیں۔ نئی اور متروک اصناف کے فروغ میں انھوں نے جتنا کام کیا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ مناظر صاحب اردو کے علاوہ ہندی، انگیکا اور انگریزی میں بھی لکھتے رہے ہیں اور ہر زبان میں ان کی کئی کئی کتابیں ہیں۔ انھیں ملک اور بیرون ملک سے ماقبل میں بہت سارے ایواڈز مل چکے ہیں، لیکن ایک ساتھ چھ (۶) ایوارڈ کا ملنا ایک ریکارڈ ہے۔ ہرگانوی صاحب کا تخلیقی اور صحافتی سلسلہ ابھی جاری ہے۔

وفیات

کٹک کے معروف شاعر ناظم قمر کا سانحۂ ارتحال

اڈیشا کے معروف شاعر اور شعری مجموعہ ''تلخ و شیریں'' کے خالق ناظم قمر صاحب طویل علالت کے بعد ۸۱/سال کی عمر میں گزشتہ ۶/ستمبر ۲۰۲۰ء کو رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف بے حد خلیق انسان تھے اور ایک خوش فکر شاعر کی حیثیت سے منفرد شناخت رکھتے تھے۔ ان کی رحلت بلاشبہہ اڈیشا کی ادبی فضا کے لیے کسی سانحہ سے کم نہیں۔

ادارۂ ادبی محاذ ان کی رحلت پر اپنے گہرے دکھ کا اظہار کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ آمین

ادبی محاذ کے کمپوزر سید مصطفےٰ علی نہیں رہے

سید مصطفےٰ علی ادبی محاذ کی کمپوزنگ کے کام سے ایک عرصہ تک وابستہ رہے اور اپنے کام کو بڑی تندہی سے انجام دیا جس کے سبب ادبی محاذ پابندی سے شائع ہوتا رہا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ گزشتہ

۷/اگست ۲۰۲۰ء کو وہ رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف لاک ڈاؤن کی ابتدا سے بیمار چلے آرہے تھے۔ وہ کئی طرح کے عارضوں میں مبتلا تھے۔ نزلہ و زکام کے ساتھ ساتھ معدے کی پریشانیاں بھی تھیں۔ آخر میں یرقان نے حملہ کردیا اور وہ جانبر نہ ہوسکے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۴۵/سال کی تھی۔

ان کے انتقال کر جانے پر ادبی محاذ کی اشاعت میں تاخیر کا امکان ہے۔ جب تک کوئی دوسرا کمپوزر نہیں مل جاتا تاخیر کے امکان سے گریز نہیں کیا جاسکتا۔ امید ہے کہ ہمارے قارئین یہ زحمت گوارا فرمائیں گے۔ موصوف کی اس ناگہانی رحلت پر ادارہ اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ آمین

☆☆☆

طرحی مشاعرہ

مصرعِ طرح "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ" پر غزلیں پیش ہیں۔ اگلے شمارے کے لیے طرح نوٹ فرمائیں: "وہ انقلاب کبھی انقلاب ہو نہ سکا" (شاعر۔اسلم شاہجہانپوری) قوافی: حساب، خراب، شراب' ردیف۔ ہو نہ سکا۔ پانچ اشعار پر مشتمل آپ کی طرحی غزل ۳۰ نومبر ۲۰۲۰ء کے اندر ہمیں مل جانی چاہیے۔ رسالہ اگر تاخیر سے ملے تو وصول یابی کے ایک ہفتے کے اندر ارسال کر سکتے ہیں۔ (ادارہ)

عبدالمجید فیضی (سمبلپور)
Mob-9778291038

پھر ڈھاؤ ستم اہلِ کرم اور زیادہ — شرمندۂ احسان ہوں ہم اور زیادہ
اظہارِ وفاداری کیا کرتے ہیں جوں جوں — ہوتا ہے سدا ہم پہ ستم اور زیادہ
ہوتی ہیں طلب سے بھی سوا رب کی عطائیں — ہوں دستِ دعا کیوں نہ علَم اور زیادہ
کیا خوب ہے قدسی کا ہر اک رنگِ تغزل — "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"
منزل کی طلب فیضی ہے کیوں دیکھیں مسافت — بڑھتے ہی رہیں آگے قدم اور زیادہ

سید اولادِ رسول قدسی (امریکہ)
Mob-+1(832)352-1992

یوں مجھ پہ رہے ان کے کرم اور زیادہ — ہو حملہ کناں لشکرِ غم اور زیادہ
اے کاش ادب بول اٹھے طرزِ ادب پر — "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"
شعروں سے مرے پھوٹیں فصاحت کی شعاعیں — پیدا ہو مری فکر میں دم اور زیادہ
مضمر ہے اسی میں مری تسکین کا سیلان — ہونے دو مری آنکھ کو نم اور زیادہ
تا زیست دلائل بھرے اقوال کے آگے — قدسی سرِ تسلیم ہو خم اور زیادہ

افسر عثمانی (جگتیال)
Mob-9908558909

کر مجھ کو عطا دین کا غم اور زیادہ — ہو مجھ پہ تری چشمِ کرم اور زیادہ
ظالم کے پرستار ہیں سب شر کے طرفدار — بھرتے ہیں مگر امن کا دم اور زیادہ
اس دیس کا کلچر ہے عجب فکر کا حامی — دیتا ہے یہ فتنوں کو جنم اور زیادہ
تحریر میری پڑھ کے دعا دیتے ہیں قاری — "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"
افسر ہے زمانے کی کی عجب گردشِ دوراں — بڑھتا ہی رہا ہم پہ ستم اور زیادہ

رمیش تنہا (امبالہ کینٹ ہریانہ)
موبائل۔9996050013

کردیتا ہے ماحول کو نم اور زیادہ — احساس بڑھا دیتا ہے غم اور زیادہ
غنچے تری تخلیق کے کھلتے رہیں یوں ہی — "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"
آرام سے دنیا نے بھی کب جینے دیا ہے — اپنوں نے تو ڈھائے ہیں ستم اور زیادہ
غم ہی تو ہے وہ عشق کی معراج جہاں پر — سب فاصلے مٹ جاتے ہیں کم اور زیادہ
کچھ کم تو نہیں درد و غمِ ذات ہی تنہا — اس پر بھی ہیں آفاق کے غم اور زیادہ

امجد سلیم امجد (کریم نگر)
9550664623

بھرتا رہوں میں عجز کا دم اور زیادہ — کیوں چاہوں گا میں جاہ و حشم اور زیادہ
جتنا ہے مقدر میں وہی ہم کو ملے گا — یہ ارماں یہ نہیں ہو کہ درم اور زیادہ
الفت میں رفاقت میں نہ پیدا ہوں دراڑیں — ثابت رہے یہ ربطِ بہم اور زیادہ
لکھتا ہی رہوں حمد و مناجات میں ہر دم — "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"
ہر صبح و مسا بخت میں امجد کے خدایا — ہو سایہ فگن ابرِ کرم اور زیادہ

سید خادمِ رسول عینی (بھساول)
موبائل۔

تجھ سے یہ کرم چاہتے ہیں ہم اور زیادہ — رکھ لینا تو آہوں کا بھرم اور زیادہ
محبوب کی تعریف میں لکھتے ہو بہت خوب — "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"
حاصل کرو تم علم، کرو اس پہ عمل بھی — اونچا رہے عظمت کا علَم اور زیادہ
روزی میں رہیں گی تری برکات ہمیشہ — رشوت میں نہ لے ان سے رقم اور زیادہ
سب فاصلے خود سے ہی سمٹ جائیں گے عینی — بڑھتا ہی رہے تیرا قدم اور زیادہ

سید اسلم صدا آمری (کرچنئی)
موبائل۔9444752605

ہو عشقِ نبی شاہِ امم اور زیادہ — اللہ کا ہو ہم پہ کرم اور زیادہ
مل جاتا ہے جب دل کوئی مونس و غم خوار — ہوجاتا ہے پرسش پہ الم اور زیادہ
تکذیب جو کرتے ہیں صداقت کی ہمیشہ — کھاتے ہیں قسم پر وہ قسم اور زیادہ
مظلوم کی ہر آہ و بکا لایے گی رنگ اب — کرتا ہے ستم پہ وہ ستم اور زیادہ
سن کر مرے اشعار صدا کہتے ہیں احباب — "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"

نفیس سیتاپوری (قصیارہ۔یوپی)
موبائل۔9151387351

ٹھکرائیے اب مجھ کو صنم اور زیادہ — آئیں گے قریب آپ کے ہم اور زیادہ
تو مجھ کو بھلانے کی کرے گا اگر کوشش — تڑپایے گا تجھ کو مرا غم اور زیادہ
جتنا مجھے بھٹکاتا ہے صحرا میں ترا عشق — پڑتے ہیں تری زلف میں خم اور زیادہ
آجاتی ہے جب گاؤں کی ہریالی مجھے یاد — گھٹتا ہے مرا شہر میں دم اور زیادہ
کیسر سے مہکتے ہیں نفیس آپ کے اشعار — "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"

نظام مجھولیاوی (مظفرپور)
Mob-9973047938

کہتے ہیں بے وفا ہے صنم اور زیادہ — اس سے جو ملا ٹوٹا بھرم اور زیادہ
سچوں کو قسم کھانے کی حاجت ہی نہیں ہے — جھوٹے ہی تو کھاتے ہیں قسم اور زیادہ
یہ کس نے دلائی مجھے ماضی کی حسیں یاد — یہ کس نے بڑھایا مرا غم اور زیادہ
کاغذ پہ پھول آپ کھلاتے ہیں ہمیشہ — "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"
ہوجاتے ہو جو مجھ سے خفا تم کبھی نظام — بڑھ جاتا ہے پھر میرا الم اور زیادہ

افضل مظفرپوری (بہار)
موبائل 9955029167

آنکھیں بھی مری ہوگئیں نم اور زیادہ — تم سے جو ملا بڑھ گیا غم اور زیادہ
غصے میں چہرہ سرخ ہوا جاتا ہے اکثر — تم خوبرو لگتے ہو صنم اور زیادہ
یہ کس کی محبت کا کرشمہ ہے مرے دوست — تم نکھرے ہو اللہ قسم اور زیادہ
ہے میری دعا کرتے رہو خدمتِ اردو — "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"
افضل یہ دعا کرتا ہے محفوظ رکھ خدا — ظالم کا بڑھ گیا ہے ستم اور زیادہ

ڈاکٹر راز مرکزی (مظفر پور بہار)

Mob-620938416

کر مجھ پہ صنم لطف و کرم اور زیادہ / بڑھتے ہیں مرے رنج و الم اور زیادہ
جس سمت میں جانے سے بہت ڈرتا رہا ہوں / بڑھتے ہیں اسی سمت قدم اور زیادہ
سینے میں مرے تھوڑا بھی کہرام نہیں ہے / اے زخمِ دروں کر تو ستم اور زیادہ
ہر بات پہ جو جھوٹ کہا کرتے ہیں سب سے / کھاتے ہیں وہی لوگ قسم اور زیادہ
دیتے ہیں دعا لوگ میرے شعروں کو سن کر / ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''

عارفہ رخسانہ (سدی پیٹ، تلنگانہ)

موبائل۔9441020768

حالات بھی دیتے رہے غم اور زیادہ / یوں ہم نے سہے رنج و الم اور زیادہ
ہر بار تغافل سے وہ آتے رہے درپیش / ٹوٹا کیا ہر بار بھرم اور زیادہ
کم ہونے لگے آج وہ الفت کے پجاری / بڑھنے لگے نفرت کے صنم اور زیادہ
ہم اس سے دعا مانگتے ہیں عجز سے جب بھی / کرتا ہے ہم پہ لطف و کرم اور زیادہ
ہم عارفہ ہموار کریں امن کی راہیں / بڑھتے رہیں اس سمت قدم اور زیادہ

صابر کاغذ نگری (تلنگانہ)

موبائل۔94441020768

یارب ہو ترا مجھ پہ کرم اور زیادہ / قسمت میں دیدارِ حرم اور زیادہ
احباب یہی کہتے ہیں پڑھ کر میری غزلیں / ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''
میں جن کو سمجھتا ہوں وفادار جہاں میں / ڈھاتے ہیں وہی مجھ پہ ستم اور زیادہ
میں صبر کا پیکر ہوں مرا ظرف بھی اعلیٰ / دیتے رہو سوغات میں غم اور زیادہ
صابر تری تخلیق کا فن چرخِ سخن پر / تابندہ رہے جاہ و حشم اور زیادہ

یونس عاصم (ڈھینکانال، اڈیشا)

9090156995۔موبائل

کھولا جو میں نے ان کا بھرم اور زیادہ / ڈھانے لگے وہ مجھ پہ ستم اور زیادہ
شاید کہ منتظر ملے منزل یہیں کہیں / کچھ آگے بڑھاؤ تو قدم اور زیادہ
حرفِ غلط سمجھ کے مٹاؤ نہ تم ہمیں / آتے رہیں گے یاد بھی ہم اور زیادہ
چادر سے پرے پاؤں نکل جائے تو دیکھو / تنگی کا تمھیں کھائے گا غم اور زیادہ
عاصم تری غزل نے تو مسحور کردیا / ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''

اوج اکبر (رہتاس)

9006196282۔موبائل

مجھ سے نہ کہو قصۂ غم اور زیادہ / آنکھیں مری ہوجائیں گی نم اور زیادہ
تحریر مرصع تو عبارت ہے مرقع / ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''
موسم ہے سہانا ابھی وصلت کی گھڑی ہے / نزدیک چلے آؤ صنم اور زیادہ
عصمت دری، غارت گری، یہ کیسی بلا ہے / ہر روز نئی مشقِ ستم اور زیادہ
غفلت میں جو خم ہونا تھا وہ اوج ہوچکا / جھکنے نہ پائے دیکھو علَم اور زیادہ

نظام جلالپوری (مظفر پور بہار)

Mob-9199874010

مارے گئے خلوص میں ہم اور زیادہ / مغرور ہوا میرا صنم اور زیادہ
انجان تھا پہلے مجھے معلوم نہیں تھا / ہوتا ہے محبت میں ستم اور زیادہ
سچ بولنے کی سب کو جو کرتا ہے نصیحت / کھاتا ہے وہی جھوٹی قسم اور زیادہ
اربابِ ادب کے لیے کرتا ہوں دعا میں / ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''
منزل کا پتہ ملتا نہیں ہے مجھے نظام / تھکنے لگے ہیں میرے قدم اور زیادہ

حمید عکسی (ورنگل)

موبائل۔9390111962

ہو آنکھ ندامت سے جو نم اور زیادہ / اللہ کا پھر ہوگا کرم اور زیادہ
ظالم کے مظالم پہ خموشی نہیں اچھی / بڑھ جایے گا پھر اس کا ستم اور زیادہ
حالات نے کچھ ایسا ستم ڈھایا ہے مجھ پر / بڑھتا ہی رہا دل کا یہ غم اور زیادہ
جو شخص کہ جھوٹا ہے دلانے کو بھروسا / کھاتا ہے وہی روز قسم اور زیادہ
ہوتی ہے بڑی عمدہ غزل عکسی تمہاری / ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''

محمد ممتاز شعور (سمبلپور، اڈیشا)

موبائل۔6370768671

کرتے رہو مضمون رقم اور زیادہ / ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''
پہلے تو ستم ڈھاتا رہا ہم پہ سدا وہ / کرنے لگا ہے لطف و کرم اور زیادہ
مدت کے بعد ان سے ملاقات جو ہوئی / فرطِ خوشی سے آنکھیں ہیں نم اور زیادہ
پھیلا ہے زہر ساری فضاؤں میں آج کل / بیمار ہویے دیر و حرم اور زیادہ
جانے لگے وہ چھوڑ کے تنہا جو مجھے آج / بڑھنے لگے شعور کے غم اور زیادہ

عارف محمد عارف (بھدرک، اڈیشا)

موبائل۔7504136004

اونچا ہو ادب کا علم اور زیادہ / ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''
جب جستجو کرتا ہوں مسرت کا کبھی میں / بڑھتا ہے مرے دل کا الم اور زیادہ
یہ بھی ہے حقیقت کہ پہنچ کر سرِ منزل / مایوس ہیں مغموم ہیں ہم اور زیادہ
خاموشی ہماری اسے شہہ دینے لگی ہے / وہ کرنے لگا ہم پہ ستم اور زیادہ
ہم اس کی حضوری میں جھکے جاتے ہیں عارف / اللہ بھی کرتا ہے کرم اور زیادہ

ساغر ملارنوی (راجستھان)

موبائل۔9460620784

ہر فاصلے دل کے جو ہوں کم اور زیادہ / رہنے دے محبت کا بھرم اور زیادہ
ڈھائے جا ستم طرفہ ستم اور زیادہ / راس آنے لگے ہم کو بھی غم اور زیادہ
برہم ہے ابھی مجھ سے صنم اور زیادہ / کم ہوں گے نہ زلفوں کے بھی خم اور زیادہ
ہر لحظہ ستم ڈھانے لگا آج زمانہ / کب تک سہیں یہ رنج و الم اور زیادہ
کرتے ہیں سدا حق جو رقم حضرتِ ساغر / ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''

TAWAKKAL ENTERPRISES

Poilce Lane, Buxi Bazar,
Cuttack-753001

Tel. : 0671-6548643
Mobile : 9238418643

Stockist of :
Hamdard, Zandu Pharmaceuticals,
Dechane, New Shama Labs, Kalonji Oil,
Noorani Oil, Qudrati Oil,
Royal Ayurvedic Pharmacy Etc.

Proprietor : ABDUL AHAD

Libas
Suit Specialist

Master
F.A. Khan

Ph. : 0671-2428418
Mob. : 9437143877

SUTAHAT
(NEAR TINKONIA BAGICHA)
CUTTACK - 1

WARIS MARKETING

Prop. : SARFARAZ AHMED
Auth. Dealer of
BERGER PAINT INDIA LTD.

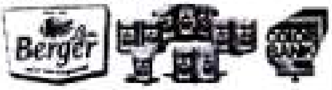

SUTAHAT, CUTTACK-1
Mobile : 98612 71704

SHEELA SHOES

Since 1974
A Famous Shop of
Designer Ladies, Mens and
Kids Footwear

BUXI BAZAR, CUTTACK-1

DWA GHAR

Blood, Urine, Stool,
Pregnancy Etc.
are examined here
Prop. : Sd. Sahid Ali
Mobile : 93376 26958

Deewan Bazar,
Cuttack-1

The famous shop for
durable footwear in your city

BOMBAY FOOTWARE

BUXI BAZAR, CUTTACK-1

STYLE 'N' STYLE

(DESIGN FOUNDER)
SHOP NO.A-8, FANCY MARKET
TINKONIA BAGICHA
CUTTACK-1

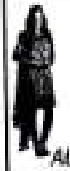

ALL TYPES OF READYMADE
GARMENTS ARE AVAILABLE HERE

PROP. : LAL BHAI
MOB. : 09861383643

ALUMINIUM & STEEL FABRICATION

We Deals in :
Aluminium Windows, Sliding Door,
Steel Railing, Balcony,
Fabric & Commercial Door,
Gypsom Roof Ceiling Work

SUTAHAT, CUTTACK-1
Mobile : 90400 48800